یوم پاکستان ہا چھوڑے پاکستان

ہفت روزہ

احوال

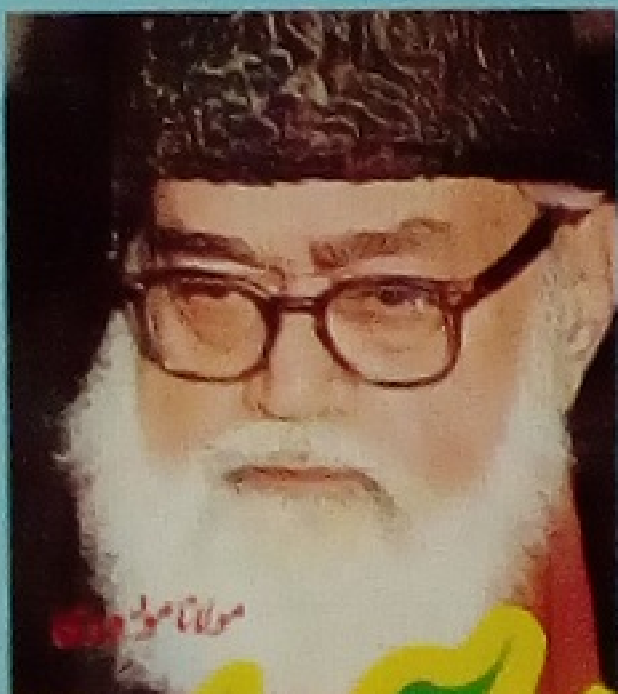
کراچی

۲۲ تا ۲۸ مارچ ۹۰ء

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بدلتے ہوئے روپ





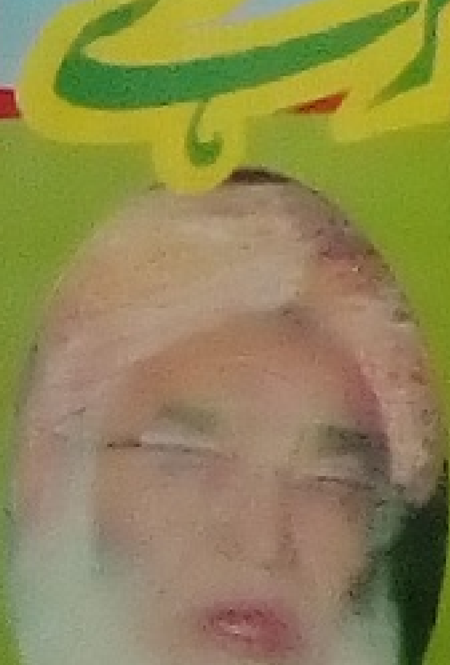


○ پاکستان میں مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی

○ پاکستان کیلئے ووٹ دینا حرام ہے۔

○ پاکستان میں ججوں کی کرسی حرام ہے

"جہادِ کشمیر قرآن کی رو سے ناجائز ہے"



خدا کا شکر ہے
میں پاکستان بنانے
کے گناہ میں
شریک نہ تھا



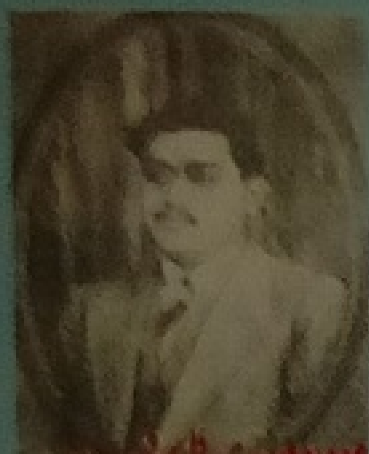
نیرنگیِ
سیاستِ
دوراں
تو دیکھیے

یوم پاکستان ہیجوے پاکستان

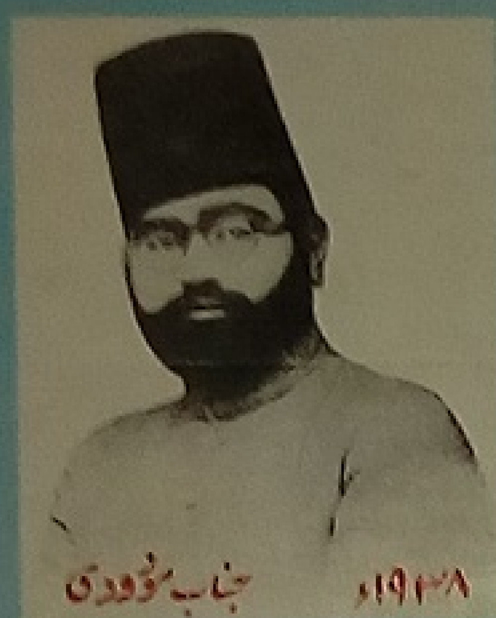
ہفت روزہ
احوال
کراچی

۲۲ تا ۲۸ مارچ ۹۰ء

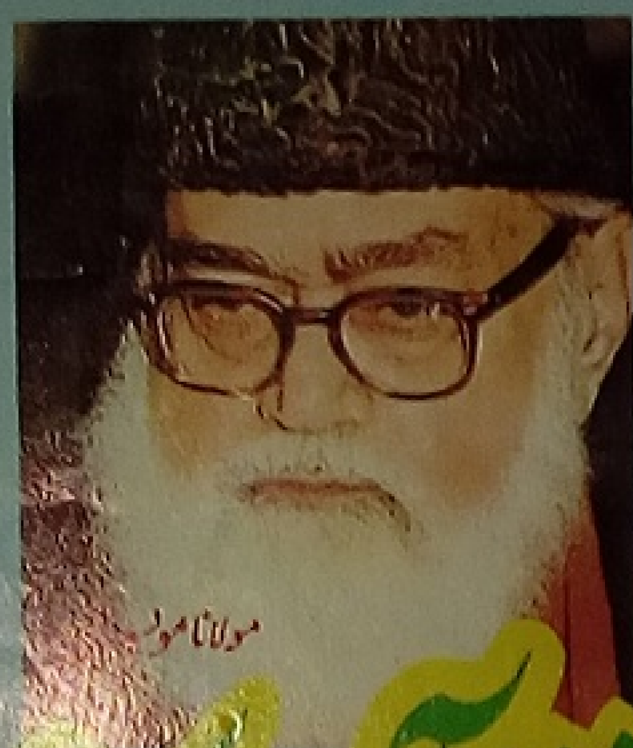
جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بدلتے ہوئے روپ



۱۹۲۳ء



۱۹۳۸ء جناب مودودی



مولانا مودودی

○ پاکستان میں مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی

○ پاکستان کیلئے ووٹ دینا حرام ہے

○ پاکستان میں اسمبلیوں کی رکنیت حرام ہے

"جہادِ کشمیر قرآن کی رُو سے ناجائز ہے"



خدا کا شکر ہے میں پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھا



پیر کی سیاست دوراہے پر

جلد ۱ شمارہ ۲۳

اشاعت: ۲۳ تا ۲۹ مارچ ۹۰ء

قیمت: ۶ روپے

ہفت روزہ

احوال

کراچی

ایگزیکٹو ایڈیٹر: محمد احمد صدیقی — مدیر اعلیٰ: ابو جنید

اس شمارے میں

زر تعاون سالانہ

پاکستان	۳۰۰	روپے
سعودی عرب	۳۰۰	ریال
متحدہ عرب امارات	۳۰۰	درہم
بھارت و بنگلہ دیش	۴۵	امریکی ڈالر
افریقہ و ایشیاء	۵۰	امریکی ڈالر
یورپ	۵۵	امریکی ڈالر
امریکہ و آسٹریلیا	۶۰	امریکی ڈالر

زر تعاون پاکستانی کرنسی میں کسی ایسے بنک کی معرفت ارسال فرمائیں جس کی کراچی میں شاخ ہو۔

دفتر رابطہ

۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر
ریجنسی مال عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی

فون: ۵۱۲۷۷۵

پبلشر محمد احمد صدیقی نے النور پبلی کیشنز کے تحت غضنفر پرنٹرز لیتھو پریس سے چھپوا کر ۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر ریجنسی مال، شاہراہ عراق صدر کراچی سے شائع کیا

دوشیزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر اگلوں کی سی روداد نہ آئی۔ پہنچی انہیں سختی اور شدت اور ہلا ہلا ڈالے گئے۔ یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھ کے ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد۔ سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لئے ہے۔ اور جو بھلائی کرو۔ بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔ تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(سورۃ البقرۃ۔ آیت ۔ ۲۱۴ تا ۲۱۶ (کنزالایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سات لوگ اس دن اللہ تعالیٰ کے سائے تلے ہوں گے جس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا۔

(۱) امام عادل (۲) وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے (۴) وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ملیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں جدا ہوں (۵) وہ شخص جسے کوئی مقتدر اور حسین عورت (گناہ کی) دعوت دے۔ اور وہ شخص کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو نہ پتہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) اور وہ شخص جو تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔

(صحیح مسلم)

صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

۱۱ مارچ کو وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے اسلام آباد میں پارلیمنٹ سے باہر کی سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کی کانفرنس منعقد کی۔ کانفرنس میں مولانا شاہ احمد نورانی کی یہ تجویز کہ کشمیر میں تحریک آزادی کی نئی لہر اٹھی ہے اور اس جنگ کو ہندوستان اور پاکستان کی جنگ کے بجائے کشمیر کی آزادی کی جنگ تک محدود رکھا جائے اور پوری دنیا میں قومی اسمبلی اور سینیٹ کے ممبروں و نیز ملک کے دانشوروں، علماء، طلباء اور مزدوروں پر مشتمل وفود بھیجے جائیں تاکہ اقوام عالم کو باور کرایا جائے کہ ۴۴ سال تک قبضہ رکھنے کے باوجود ہندوستان مقبوضہ کشمیر پر اپنا تسلط قائم نہ رکھ سکا اور کشمیر کے بچے، نوجوان بوڑھے اور عورتیں ہندوستان کی جارحیت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ بھارتی ابلاغ عامہ یہ پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ پاکستان نے ہندوستان پر جنگ کے بادل منڈلائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طاقت کے زعم میں بھارت نے خود ہی جارحیت کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ کشمیر کے عوام نے بھارتی تسلط کے خلاف آزادی کی آواز اٹھائی ہے اور یہ آواز صرف اور صرف کشمیریوں کی ہے جنہوں نے اپنے تمام وسائل اور طاقت کا اظہار ہندوستان کی تعینات فوج اور مسلط کردہ گورنر جگموہن کے خلاف کر رکھا ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی اس مثبت تجویز کا ہر ممبر نے خیر مقدم کیا اور اپنی آزادانہ آرا کا اپنے خطوط پر اظہار کیا۔ تمام اراکین نے وزیراعظم کو مشورہ دیا کہ جنگ سے حتی الامکان گریز کیا جائے اور بات چیت کے ذریعے ہندوستان کو پابند کیا جائے کہ وہ کشمیریوں سے کئے گئے وعدوں کو پورا کرے۔

وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے اراکین کی آرا کو اہمیت دیتے ہوئے پریس کو بریفنگ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ پاکستان مسئلہ کشمیر پر بھارت سے مذاکرات کے لئے تیار ہے۔ ۱۳ مارچ کو محترمہ بے نظیر نے آزاد کشمیر کا دورہ کیا۔ کشمیر کا مسئلہ صدر ایوب کے بعد سرد خانے میں ڈال دیا گیا تھا خصوصاً جنرل ضیاء الحق کے دور میں تو اس مسئلہ کو عالمی برادری نے بھلا دیا تھا۔ لیکن کشمیریوں نے ایک مرتبہ پھر دنیا کو بتا دیا کہ جو قوم غلام نہیں رہنا چاہتی اس کو کوئی آزادی سے روک نہیں سکتا خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے آزاد کشمیر جاکر اقوام عالم کی توجہ پھر کشمیر کی طرف دلائی اور اس مسئلہ کو عالمی برادری میں زندہ کیا جو بڑے بڑے جنرلوں نے ہندوستان کی عسکری طاقت کے سامنے سرد خانے میں ڈال دیا تھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے آزاد کشمیر جاکر اعلان کیا۔

۱ ــــ بھارتی وزیراعظم وی۔ پی۔ سنگھ، پنڈت جواہر لال نہرو کی طرف سے ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں کئے گئے وعدوں کو پورا کریں اور کشمیریوں کو حق خود ارادیت کا حق دیں۔

۲ ــــ بھارت کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ اقوام عالم اور اسلامی کانفرنس کے نمائندوں کو دعوت دیں کہ وہ کشمیر جاکر وہاں کی صحیح صورتحال سے آگاہ ہو سکیں۔

۳ ــــ چینی لانگ مارچ کر کے آزادی حاصل کر سکتے ہیں، افغانی غیر ملکی طاقت کو نکال سکتے ہیں تو کشمیری بھارت کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں جو غیر ملکی طاقت ہی ہے۔

وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے آزاد کشمیر جاکر بھارتی وزیراعظم کو للکارا کہ وہ ایک مرتبہ کشمیر جاکر دکھائیں۔ جس طرح وہ آزاد کشمیر آئی ہیں اور ان کا والہانہ استقبال ہوا ہے۔ انہوں نے بھارتی وزیراعظم کو یہ بھی آئینہ دکھایا کہ اگر وہ مقبوضہ کشمیر جائیں گی تو ان کا وہاں بھی اسی طرح والہانہ استقبال ہوگا جس طرح آزاد کشمیر میں ہوا۔ وی۔ پی۔ سنگھ اگر مقبوضہ کشمیر جائیں گے تو عوام کے بدلے صرف وہ "جنگ مرہٹہ" کا تماشہ ہی دیکھ سکیں گے۔ جہاں وزیراعظم پاکستان کے اس جرأتمندانہ بیان کو پوری قوم نے سراہا وہاں آئی جے آئی کے ایک لیڈر جن کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے، نے وزیراعظم کی تقریر کو "جذباتی" سے تعبیر کیا۔ انہوں نے لاہور میں جنگ فورم میں قرارداد پاکستان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر "پاکستان کو ہم نے کیا دیا" کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا کہ ان کی جماعت کشمیریوں کی بھرپور طریقے سے مدد کر رہی ہے اور کشمیری مجاہدین کی تربیت کا ہر طرح سے انتظام کیا ہے کیونکہ بقول ان کے انہوں نے اس بات کا تمام وسعتوں سے بالاتر ہو کر عزم کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قومی مسئلہ میں اس جماعت کو فراخدلی سے کام لینا چاہئے اور وزیراعظم کے جرأتمندانہ اقدام کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہئے کہ جو کام وہ ضیاء الحق سے نہ کرا سکے ایک عورت نے کر کے دکھایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہندوستان پاکستان کو خواہ مخواہ دنیا کے سامنے اس بات کا ذمہ دار ٹھہرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مجاہدین کشمیر کو پاکستان میں تربیت دی جاتی ہے جبکہ حکومت پاکستان اور تمام پاکستانی اس الزام

[illegible]

مزید یہ کہ ... اعلان ... [illegible]

وہاں کشمیر میں تحریک آزادی کے ... [illegible] ... کہ ہم پاکستان ... کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کی حمایت جاری رکھے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت کشمیری عوام کو طاقت اور جبر کے ذریعہ آزادی اور حق خود ارادیت سے محروم نہیں رکھ سکتی۔ مزید یہ کہا ... کہ مقبوضہ کشمیر میں "جعلی انتخابات" ... کے ذریعہ ... ہو رہی ہیں۔ ہندوستان کی حکومت ... کے ذریعہ کشمیر میں اقتدار پر ہندوستانی لوگوں اور ان کے ... کے ذریعہ کشمیر کی حسین ترین وادی پر ... رہے ہیں لیکن "اسلام اب رہے گا" یہ ناممکن ہے۔ مزید یہ ... کہ ہماری آواز ہے کہ کشمیر کے عوام آزادی چاہتے ہیں اور اپنے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج مقبوضہ کشمیر میں بے گناہ انسانوں کے خون کی ندیاں بہائی جا رہی ہیں۔ بے گناہ انسانوں کا استحصال اور جبر کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ اگر ہندوستان یہ سمجھتا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں ... کر کے، ... کے ذریعہ اور کرفیو نافذ کر کے بے گناہ لوگوں کو ... جائے اور گولیاں برسانے سے آزادی کی لہر رک جائے گی تو یہ ہندوستان کی بھول ہے۔ کشمیر میں مسلمان ہیں ان کی رگوں میں جہاد کا خون ہے۔ غازیوں کا خون ہے وہ شہید ہونا جانتے ہیں، وہ غازی بننا جانتے ہیں۔

جس وقت وزیر اعظم پاکستان کشمیر کے مسئلہ پر ملک کے مقتدر سربراہوں سے صلاح مشورہ کر رہی تھیں اور آزاد کشمیر کے دورہ کا منصوبہ بنا رہی تھیں۔ بھارتی "مہا نتوں" نے خوفزدہ کرنے کے لئے پاکستان کے بارڈر پر آٹھ ڈویژن فوج متعین کر دی اور وہ سمجھے تھے کہ ان کی اس گیدڑ بھبکی سے پاکستان کو کشمیریوں کی آزادی تحریک کی حمایت سے ہٹایا جا سکتا ہے لیکن ان کی یہ تمام چالیں اور گیدڑ بھبکیاں خاک میں مل گئیں جب ۱۰ مارچ کو پاکستان کی وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ مقدس سرزمین کے دفاع کے لئے تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں۔ کسی بھی وقت حملہ ہو سکتا ہے۔

جبکہ وطن پر دشمنوں کی حریصانہ نظریں لگی ہوئی ہیں اور ارضِ مقدس پر بھارتی سندھ کے سرحدی علاقوں کے ذریعہ تخریب کاری پر تلے ہوئے ہیں ہر پاکستانی کا فرض ہوتا ہے اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تمام اختلافات بھلا کر وطن عزیز کا تحفظ کرنے کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ غالباً ایسے حقائق کے پیش نظر محترمہ بے نظیر بھٹو نے بھی اپنا موقف بدل لیا ہے اور مخاصمانہ محاذ آرائی کے بجائے وہ مفاہمت کے جذبے سے کام لینا چاہتی ہیں۔ ... [illegible] ... ہے، انہیں وزیر اعلیٰ مانتی ہوں ... ہوں

[illegible] ... ہو جائے گی۔

ملک کی ... سیاسی ... کی صورت حال کے پیش نظر ... [illegible] ... آزادی کی تحریک کی نئی لہر اٹھی ہے ... ہونا چاہئے تھا لیکن قوم ... [illegible] ... ۲۰ مارچ ... [illegible] ... ضرورت نہیں ہے۔ ۲۰ مارچ کو کچھ نہیں ہوگا ... انہوں نے ... کریں۔ دراصل یہ ... صرف اور صرف اقتدار پر قبضہ کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ملک اور قوم سے اس کو نہ ہی ہمدردی ہے اور نہ ہی دلچسپی۔ قوم کے سامنے ان مفاد پرست ٹولوں کے عزائم بے نقاب ہو چکے ہیں۔ قوم کو اس وقت اتحاد کی اشد ضرورت ہے تاکہ دشمن ہمارے اختلافات سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ یہ انتشار پیدا کر کے قومی یکجہتی کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ حزب اختلاف ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کا مطمع نظر صرف اور صرف ملک کا وزیر اعظم بننا ہے۔ خواہ وہ عدم اعتماد کے ذریعہ ہو یا خواہ سڑکوں اور گلیوں میں ہنگامہ آرائی ہو یا پھر "۲۰ مارچ کی لوٹ کے ذریعہ ہو"۔

تاہم قبل ازیں لاہور ہائیکورٹ نے لاہور کے ایک ... وکیل کی دائر ... آئینی درخواست کو سماعت کیلئے منظور نہیں کیا۔ لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس محمد رفیق تارڑ، مسٹر جسٹس محبوب احمد پر مشتمل ڈویژن بنچ نے ۲۰ مارچ کے بعد وزیر اعظم کے انتخاب کے لئے اجلاس بلانے کی درخواست مسترد کر دی۔ عدالت نے اپنے حکم میں کہا کہ درخواست دہندہ نے یہ نہیں بتایا کہ وفاقی حکومت کس قانون کے تحت اسمبلی کا اجلاس بلا سکتی ہے۔ درخواست دہندہ نے عدالت سے جو داد رسی مانگی ہے وہ قانونی تقاضوں کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے یہ درخواست مسترد کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے درخواست دہندہ کے عدالت میں رجوع کرنے کا تنہا کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔ اس کے پیچھے "خفیہ چہرے" ضرور ہوں گے جو "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" ـــــ قومی یکجہتی اور مفاد پرستی کا یہ عالم ہے کہ نت نئے حربے سے موجودہ حکومت کو الجھایا جائے جس کا بدیہی نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومتِ وقت کو کشمیر کے مسئلہ میں یکسوئی اور دلجوئی کے ساتھ فیصلہ کرنے میں دقت ہوگی ادھر ہندوستان میں دیوی لال نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا تھا لیکن ہنگامی حالات کی بناء پر بھارتی وزیر اعظم اور نائب وزیر اعظم نے مفاہمت کر لی۔ ہنگامہ آرائی کرنے والوں کو پڑوسی ملک ہی سے سبق سیکھ لینا چاہئے اور حکومت کا تختہ الٹنے کے بجائے ملک کے مفادات پر نظر رکھیں اور غور سے سوچیں کہ کیا یہ وقت "اقتدار سے محروم" کرنے اور "اقتدار حاصل کرنے" کا ہے یا بھارتی جارحیت سے "نبرد آزما" ہونے کا ہے۔

بہت سے اعتراف کر رہی ہے اور آزادی کی تحریک کو صرف اور صرف کشمیر میں محدود ہونا چاہیے اور یہ جنگ ہندوستان کے جبر اور ظلم کے خلاف ہے۔ اس [illegible]

[illegible]

[illegible]

جس وقت دنیا [illegible]

[illegible]

[illegible]

آزادی کی تحریک [illegible]

[illegible]

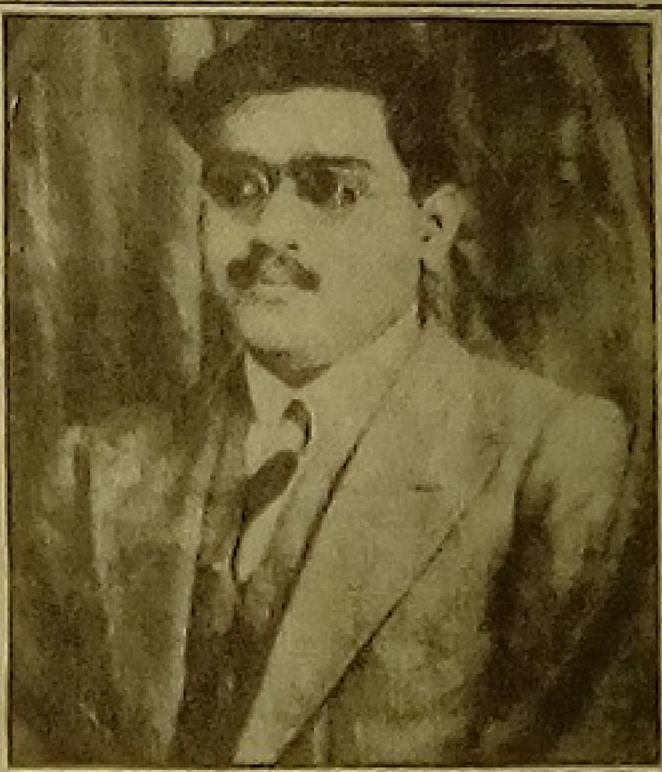
[illegible]

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بدلتے ہوئے روپ

"جہادِ کشمیر قرآن کی رو سے ناجائز ہے"

محمد احمد صدیقی

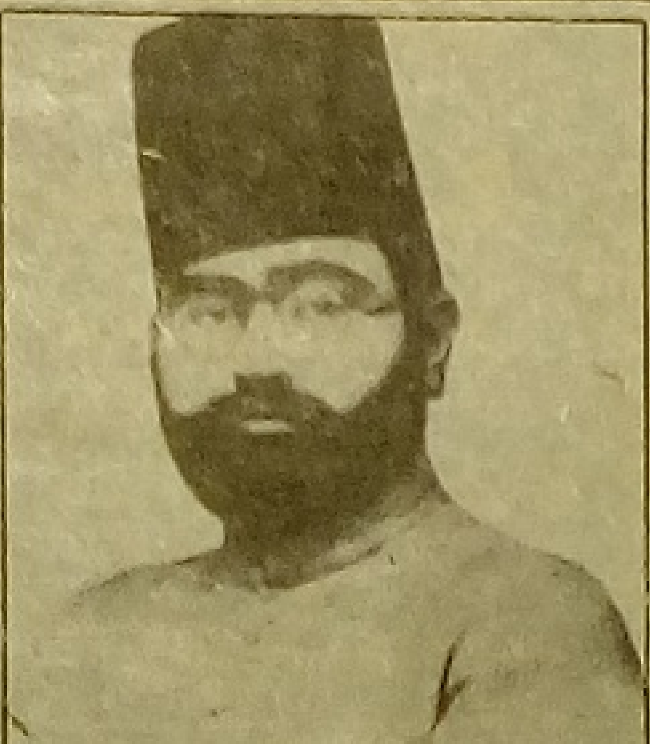
یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ جماعت اسلامی اور اس کے مرحوم بانی ابوالاعلیٰ مودودی جن کے پیشِ نظر اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنا تھا۔ انہوں نے اسلام کا لبادہ اس طرح اوڑھا کہ پوری قوم ان سے مرعوب ہو جائے اور کسی کو جرأت نہ پڑے کہ ان "صالحین" کے عزائم پر حرف



گیری کر سکے ہر پاکستانی کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جدوجہد پاکستان میں کس گروہ اور کس جماعت نے حصہ لیا اور کس گروہ اور کس جماعت اور ان کے بانی نے اس کی مخالفت کی۔ پاکستان اسلام کی حفاظت اور اس کی سربلندی کے لئے قائم کیا جا رہا تھا۔ وہ لوگ جو تحریک پاکستان کے مخالف تھے یا تحریک کے رہنماؤں کے ساتھ نہیں تھے۔ لہٰذا وہ اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی سربلندی کے ساتھ نہیں تھے۔

انہی مخالفین میں سے جماعت اسلامی کے "صالحین" نے تحریک پاکستان میں منافقت سے کام لیا۔ انہوں نے اتحاد ملت کو پارہ پارہ کیا۔ انہوں نے قلوب و اذہان کو ایسے وقت میں سطحی اور فرسودہ

مسائل میں الجھانے کی کوشش کی جب ایک "عظیم تر" مقصد کے لئے سب کو یکسوئی اور ذہنی ہم آہنگی کی ضرورت تھی۔ اور جب مسلمان کامیاب ہو گئے تو دینی اور مذہبی برتری کا "خود ساختہ" پیراہن اپنی قامت پر سجا لیا اور جماعت اسلامی کی "کمانیں" "تحریک پاکستان" کے مجاہدین کے سینہ کی طرف تن گئیں اور

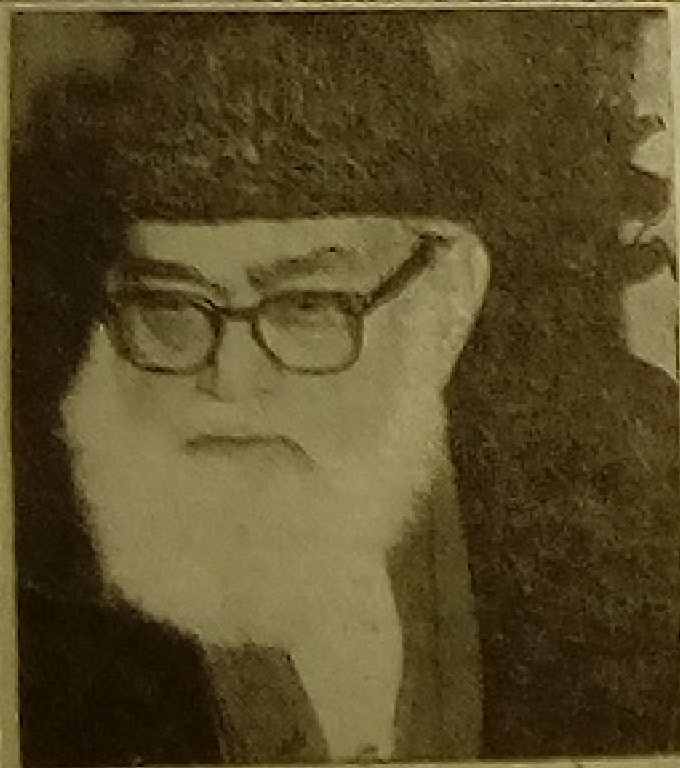


آج تک "تیر" برسا رہی ہیں وہ طبقہ جس نے تحریک پاکستان میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا قرآن حکیم کا "مفسر اعظم" بن کر سامنے آ گیا۔ حالانکہ ان کا اپنا کردار کم از کم ان لوگوں جیسا رہا جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہا تھا کہ "تم اور تمہارا رب دشمنوں سے لڑنے"۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کا پہلا روپ

"برہنیت" کے تابع مسٹر مودودی نے پاکستان کے قیام کے خلاف اسلام کی آڑ لے کر خوب زہر افشانی کی۔

تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم پر رکیک حملے کرتے رہے۔ قائداعظم کو "احمق" "غلط کار" اور دین میں بلاپن کے حامل ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ہندوؤں سے ساز باز کر کے جب سید مودودی نے یہ دیکھا کہ ان کی تنہا کوششیں مسلم لیگ کی صفوں میں کوئی انتشار پیدا نہیں کر سکتیں تو انہوں نے ہندوؤں سے بھی ساز باز شروع کی۔ چنانچہ انہوں نے پٹنہ میں اپنے پبلک جلسہ میں مسٹر گاندھی کو دعوت دی انہوں نے اس میں شرکت بھی کی لیکن گاندھی نے اس سودا کو کچھ منفعت بخش نہ سمجھا اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔



پاکستان میں مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی

محترم سید مودودی پاکستان کے خلاف یہ موقف رکھتے تھے جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں گے اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو

"پاکستان کے لئے ووٹ دینا حرام ہے"

جائے گا تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی۔ ان کا گمان غلط ہے دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا، وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔"

(ترجمان القرآن ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء)

لادینی حکومت کا شوشہ

جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا۔

(ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء)

ان کی قیادت میں غلطی ہے۔

عموماً جو اجتماعی تحریکیں مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہیں ان کے مقاصد میں غلطی ہے ان کی قیادت میں غلطی ہے اور ان کی روحی کیفیت میں غلطی ہے بہت سے لوگوں کو تو بے شعوری کی وجہ سے اس غلطی کا احساس ہی نہیں ہوتا اس لئے وہ جوش وخروش کے ساتھ ان تحریکوں کو چلاتے ہیں ان کے نزدیک کسی تحریک کے درست ہونے کے لئے بس یہی بات کافی ہے کہ اس میں "مسلمانوں کا فائدہ" ہے۔ صفحہ ۳۰ عنوان نسلی مسلمان کے لئے دو راہیں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش"۔

تحریک پاکستان کی جدوجہد سے برصغیر کے مسلمانوں کو علیحدہ کرنے کے لئے سید مودودی نے بہت سبز باغ دکھائے۔ ان کو اکسایا کہ اس میں سراسر ان کا نقصان ہے انہیں اس جدوجہد میں حصہ نہیں لینا چاہیئے مگر افسوس ہے ہندوستان کے مسلمان یہ کہہ کر یہ جانتے ہوئے کہ پاکستان بننے کے بعد ہندو ان کو اس کی سزا ضرور دے گا لیکن پھر بھی انہوں نے مسلم ریاست کے قیام کے لئے بڑی قربانی دی۔ سید مودودی فرماتے ہیں۔

بیابان مرگ

"ہندو اکثریت کے علاقے میں مسلمان عنقریب یہ محسوس کریں گے کہ جس قوم پرستی بلا انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں "بیابان مرگ" میں لا کر چھوڑ گئی ہے اور اس کی قومی جنگ جسے وہ بڑے جوش وخروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے اس کے نتیجے برختم ہوئی جو ان کے لئے تباہی کے سوا

اپنے اندر کچھ نہیں رکھتی۔

یہ باتیں مودودی صاحب نے اس وقت ان علاقوں میں کہی تھیں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے جب مسلمانان ہند کی تقدیر کے آخری فیصلے ہو رہے تھے یہ مہم مودودی صاحب نے دس سال قبل شروع کی تھی کہ قیام پاکستان کی تحریک کے خلاف مسلمانوں کو ابھاریں ان کو انہیں کے آئینہ تحریر میں دیکھئے۔

"ایک حقیقی مسلمان کی حیثیت سے جب دنیا پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اس امر پر اظہار مسرت کی کوئی وجہ



خدا کا شکر ہے میں پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھا۔

نظر نہیں آتی کہ ترکی پر ترک، ایران پر ایرانی، اور افغانستان پر افغانی حکمران ہیں۔۔۔۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں۔ وہاں ان کی حکومت قائم ہو۔

(ترجمان القرآن بابتہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ)

۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء

کو قائد اعظم نے پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ "ہمارا مذہب، ہمارا کلچر، اسلام کے نظریات حیات آزادی حاصل کرنے کے لئے ہمارے محرکات ہیں۔ پاکستان کا مطلب صرف آزادی نہیں، اس کا مفہوم اس مسلم آئیڈیالوجی کو محفوظ کرنا ہے جو ایک بیش بہا متاع کی صورت میں ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔"

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء

پاکستان ڈے کی تقریب پر قائد اعظم نے فرمایا "یاد رکھو! اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو نہ صرف یہ کہ ہم تباہ ہو جائیں گے بلکہ اس برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا۔"

پاکستان کے لئے ووٹ دینا حرام

اس زمانے میں مودودی صاحب فرماتے ہیں "جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانہ کے جمہوری اصول پر بنتی ہیں ان کی رکنیت حرام ہے اور ان کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے" (رسائل ومسائل حصہ اوّل)

تحریک پاکستان اسلامی تحریک نہیں

اقلیتی صوبوں میں زہر افشانی کے لئے جماعت اسلامی نے اپریل ۱۹۴۷ء کے اواخر میں ریاست ٹونک، مدراس اور پٹنہ میں جماعت کے خصوصی اجلاس منعقد کئے۔ ٹونک میں ایک اجلاس ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوا۔ مودودی صاحب سے سوال کیا گیا کہ جب مطالبہ مسلمانوں کے لئے ایک مملکت حاصل کرنے کا ہے تو پھر کون سا ایسا امر مانع ہے کہ ہم ان کا ساتھ نہ دیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔ "جب آپ ایک تحریک کو خود غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس منہ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے۔۔۔ اگر مسلمان اسلام کے فی الواقع سچے نمائندے ہوتے اور اگر مسلمان اب بھی سچے مسلمان بن جائیں تو آج ہی یہ سارے مسائل ختم ہو جائیں یہ لوگ ہندوستان کے ایک ذرا سے کونے میں پاکستان بنانے کو اپنا انتہائی مقصد بتاتے ہیں۔"

تحریک پاکستان کے خلاف سید مودودی نے جی کھول کر منافقانہ کردار ادا کیا۔ مخالفانہ دلائل دیتے رہے پاکستان کے لئے ووٹ دینا "حرام" قرار دیا۔ تحریک پاکستان کو غیر اسلامی تحریک سے تعبیر کیا، قیادت پر پھبتیاں کستے رہے اور "پاکستان" کو "ناپاکستان" کہتے رہے بلکہ خدا کی نگاہ میں غیر مسلموں کی حکومت سے زیادہ مبغوض

کہتے رہے آخر ان کے لئے کیا وجہ جواز اور اخلاقی جائش تھی کہ وہ شدید ترین مخالفت کے باوجود "پناہ" کے لئے اسی پاکستان میں چلے آئے۔ پاکستان کا قیام عمل میں آنے کے بعد سید مودودی نے پٹھان کوٹ سے بھاگ کر اور ٹرکوں پر لاد کر اپنا سامان لے آئے سید مودودی نے زندگی بھر پاکستان کی مخالفت کی، لیکن اس کے باوجود وہ پاکستان کیوں آئے؟ اور کیوں دوسرا روپ دھارا؟۔ اس کے پس منظر میں صرف یہی بات پوشیدہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح جماعت اسلامی پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کرلے۔ پاکستان بنتے ہی سید مودودی نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا شروع کر دیا اور پاکستان پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنے لگے۔ لیکن ان کی یہ خواہش کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوئی۔ جماعت اسلامی باوجود اس کے کہ بیرونی امداد کے ذریعہ مالا مال ہوئی۔ لیکن عوام کے اندر کوئی مقبولیت حاصل نہ کرسکی، ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں بُری طرح شکست کھا گئی۔ ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخاب میں جب کوئی قابل ذکر جماعت نے الیکشن میں حصہ نہ لیا تو موقع غنیمت جان کر جماعت اسلامی نے غیر جمہوری طریقہ سے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہا لیکن پھر بھی بری طرح شکست کھا گئی پاکستان میں آنے کے بعد سید مودودی نے کس طرح رنگ بدلا ان کا دوسرا روپ شروع ہوتا ہے۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کا دوسرا روپ

مودودی صاحب نے کہا ۔۔۔ "یہ خیال کرنا کہ جماعت اسلامی کا قیام مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے اور تحریک پاکستان کے خلاف ایک دوسری تحریک اٹھانے کے لئے کیا گیا تھا محض ایک بے جا بدگمانی تھی یہ صرف اس صورت میں صحیح ہوسکتی تھی۔ جبکہ جماعت نے تحریک پاکستان کے خلاف کوئی مہم چلائی ہو یا کوئی جلسہ کیا ہوتا یا کوئی قرارداد پاس کی ہوتی یا اس کے اجتماعات میں مخالفانہ تقریریں کی ہوتیں، لیکن اگست ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک جماعت کی پوری کارروائیوں میں کسی ایسی چیز کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو بس یہ کہ ہم نے تحریک پاکستان میں



محترمہ فاطمہ جناح کے الیکشن میں جماعت اسلامی نے عورت کی سربراہی قبول کرلی۔

حصہ نہیں لیا۔ بہر حال ہم نے جس وقت یہ کام شروع کیا اس وقت بھی برحق سمجھتے تھے اور آج اس سے زیادہ برحق سمجھتے ہیں۔

—— (نوائے وقت ۱۴ر اگست ۷۶ء)

منافقت

۲۴ر دسمبر ۱۹۶۷ء کو لاہور میں "قائداعظم" کی یاد میں منعقدہ جلسہ میں میاں طفیل محمد صاحب (امیر جماعت اسلامی مغربی پاکستان) نے اپنی تقریر میں قائداعظم کو اپنا خراج عقیدت پیش کیا۔ اس پر بعض حلقوں نے اعتراض کیا کہ تحریک پاکستان اور اس کے بعد تک تو جماعت اسلامی اس تحریک کی مخالفت کرتی رہی اور قائداعظم کی شان میں ذلت آمیز الفاظ استعمال کرتی رہی جس کی جرأت ان کے کسی بدترین دشمن کو بھی نہیں ہوئی تو اب جماعت پر کون سی وحی نازل ہوئی ہے جس نے ان پر یہ حقیقت بے نقاب کردی ہے کہ قائداعظم ان کے خراج عقیدت کے مستحق ہیں جس کے جواب میں میاں صاحب نے ایک لمبا چوڑا بیان شائع کیا کہ ملک میں اور افراد اور جماعتیں بھی ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان اور قائداعظم کی مخالفت کی تھی اور اب ان کے مداح ہیں۔ ان کے خلاف اس قسم کے اعتراضات کیوں نہیں کئے جاتے جس کے جواب میں یہ عرض کیا گیا کہ ان افراد اور جماعتوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ انہوں نے تحریک پاکستان یا قائداعظم کی مخالفت نہیں کی تھی وہ یا تو خاموش ہیں یا اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہیں یا اپنا موقف اب بھی ظاہر کردیتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ مفتی محمود پاکستان اسمبلی کے ممبر رہے باوجود اس کے کہ وہ صوبہ بلوچستان کے وزیراعلیٰ رہے۔ لیکن انہوں نے دل سے پاکستان کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ "خدا کا شکر ہے کہ میں پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھا"۔ لیکن میاں طفیل محمد کی یہ بات کس قدر منافقت اور جھوٹ پر مبنی ہے کہ ۔۔ پاکستان تین شخصیتوں نے بنایا ہے علامہ اقبال جنہوں نے الگ مملکت کا تصور دیا۔ مولانا مودودی جنہوں نے نظریہ دیا اور حضرت قائداعظم جنہوں نے پہلے دو حضرات کی سوچ کو عملی شکل دی اور دین کے نظریہ و تصور پر پاکستان حاصل کیا۔

(نوائے وقت ۲۱ر مئی ۱۹۷۶ء)

ان "مصلحی اسلام کے پیکر دین اور اس "صالحین اور مقدسین" کے بارے میں کیا کہا جائے آپ خود ہی انصاف فرمائیے کہ اس سے زیادہ بڑا جھوٹ خالق ارض و سما کے پیدا کردہ اس آسمان کے نیچے کس نے سنا ہے کیا یہ دجل و فریب اور کذب بیانی کی انتہائی شرمناک افسوسناک اور حیرتناک مثال نہیں ہے اس "با اصول جماعت" یعنی جماعت اسلامی کے چہرہ روشن کو دیکھئے کیا اس کا قابل مذمت اور نفرت انگیز کردار آپ کے سامنے نہیں ہے اور کیا یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ نہیں ہے؟

مولانا مودودی نے سمجھ رکھا تھا کہ ان کی جماعت نے سیاسی کش مکش حصہ سوم کے سابقہ ایڈیشن اور ترجمان القرآن کے متعلقہ پرچے سب تلف کردیئے ہیں اس لئے اب وہ دھڑلے سے غلط بیانی کرسکتے ہیں لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ لوگوں کے پاس اب بھی ان کی یہ تحریریں موجود ہیں جس میں ان کا اصل روپ نظر آجاتا ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ تین باتیں درپیش ہیں۔

ا۔ اگر ملک تقسیم نہ ہو تو مسلمانوں کو بچانے کے لئے کیا کیا جائے؟

بے شعوری کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو قیام کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا

تحریکِ پاکستان
تحریکِ اسلامی نہیں

۲۔ ملک تقسیم ہو جائے تو مسلمان جو ہندوستان میں رہ جائیں گے ان کے لئے کیا کیا جائے؟

۳۔ ملک تقسیم ہو جائے تو جو ملک مسلمانوں کے حصہ میں آئے گا اس کو مسلمانوں کی کافرانہ حکومت بننے سے کیسے بچایا جائے؟ اور اسے اسلامی راستہ پر کیسے ڈالا جائے؟

ان تینوں مسئلوں میں سے مولانا نے پہلے دو مسئلوں میں کوئی دل چسپی نہیں لی کہ ہندوستان کا مسلمان باقی رہتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے جو مسلمان تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ گئے ان کے بچانے کی بات درکنار مولانا خود بھاگ کر پاکستان تشریف لے آئے اور یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ پاکستان کے مسلمانوں کا ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا ناجائز ہے مولانا مودودی کو نہ ہی ہندوستان کے مسلمانوں سے دل چسپی تھی اور نہ ہی پاکستان کے مسلمانوں سے۔ انہیں اگر دل چسپی تھی تو صرف اس بات سے کہ کس طرح اقتدار پر قبضہ جمایا جائے اور اقتدار

غیر جماعتی انتخاب کے موقع پر جماعت اسلامی نے اقتدار کا سنہرا خواب دیکھا

پر قبضہ جمانے کے لئے انہوں نے نوزائیدہ حکومت میں کیڑے نکالنے اور فتوے صادر کرنے شروع کر دیئے اور مسلمانوں کے ذہن کو ورغلانا شروع کر دیا تاکہ ان کی چھپی سوئی دیرینہ خواہش پوری ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ بڑی شاطرانہ مہارت سے کبھی کبھی اپنا کام نکالنے کے لئے قائد اعظم کی تعریف بھی کر دیا کرتے تھے

"تحریک پاکستان اور جماعت اسلامی" کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں: "میرے دل میں جن لیڈروں کا احترام سب سے زیادہ تھا ان میں سے ایک قائد اعظم مرحوم بھی تھے۔ میں نے ہمیشہ ان کو ایک بااصول، راست گو اور مضبوط سیرت و کردار کا مالک انسان سمجھا اور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۸ء تک کبھی میرے دل میں ان کے متعلق بدگمانی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف بھی کوئی بات کہہ سکتے تھے قائد اعظم مرحوم کے خلاف مجھے کبھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ وہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے میں مخلص نہیں تھے۔"

قارئین مولانا کے بارے میں خود فیصلہ کریں کہ وہ کتنی مصلحت کوشی سے کام لیتے تھے۔ پاکستان کو تو وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت کہتے تھے لیکن رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے انہوں نے کس طرح اور کتنی قلابازیاں کھائیں، جس قائد کے بارے میں قیام پاکستان سے قبل انہوں نے ناشائستہ اور نازیبا کلمات استعمال کئے تھے اپنی مطلب برآری کے لئے کس طرح مکر، فریب اور دجل سے کام لے رہے تھے۔

مولانا مودودی ہر موقع پر حصول اقتدار کے لئے پینترہ بدلتے رہے، اپنی لیڈری کی دکان چمکانے کے لئے شریعت کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک پاکستان کی مخالفت کرتے رہے اور زندگی بھر مولانا مودودی کی یہی رائے تھی کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کا نصب العین رکھ کر غلطی کی، مگر چونکہ عامۃ المسلمین پاکستان کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہیں تھے اس لئے مودودی صاحب نے بھیس بدل کر مسلمانوں کے سامنے مع اپنی جماعت کے آ کھڑے ہوئے جن لوگوں کے نزدیک کل تک ایک مسلمان حکومت کے قیام کا مطالبہ غلط تھا۔ آج وہ اسلامی حکومت کے داعی اور علمبردار بن گئے ہیں۔ مگر مسلمانوں اور اسلام کی خدمت نہ پہلے ان کا مقصد تھا اور نہ اب ہے ان کی حیثیت پہلے بھی نکتہ چین تماشائیوں یا دشمن کے خیمہ برداروں کی تھی اور آج بھی وہ موشگافیوں میں مشغول ہیں اور مین میخ نکالنے ہی کو قوم کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

(نوائے وقت لاہور ۴ جولائی ۱۹۴۸ء)

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی حصول اقتدار کے لئے ہر وقت مسلم لیگی رہنماؤں کے متعلق گمراہ کن بیانات دیتے رہے اور ان کو ہدف تنقید بناتے رہے مسلم لیگی رہنماؤں کے متعلق مولانا مودودی کا ارشاد ہے ـــــ "یہ مسلمان قوم میں پیدا ہوئے اس لئے مسلمانوں کی حکومت ان کا نصب العین بن گیا ہے یہی ہندوؤں میں پیدا ہوتے تو مونجے اور ساورکر بنتے جرمنی میں پیدا ہوتے تو ہٹلر اور گورنگ کے روپ میں نمودار ہوتے کسی اطالوی کی آغوش محبت میں جنم لیتے تو مسولینی کی صورت اختیار کر لیتے" (ترجمان القرآن ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص ۲۱۹)

مولانا مودودی کی نظربندی سے شہید ملت لیاقت علی خان دور پھر خواجہ ناظم الدین کے زمانہ میں ملک دشمن حرکات کی وجہ سے ہوئی۔ ان میں سے ایک کشمیر کی جنگ آزادی کے متعلق خیالات کا اظہار تھا جس نے پاکستان کو سخت نقصان پہنچایا۔ جماعت اسلامی کے ترجمان "روزنامہ تسنیم" ۲۴ اگست ۴۸ء میں درج ہے۔

"جب تک پاکستان نے حکومت ہند سے دوستانہ

مودودی کے نزدیک حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی جہالت کی پیداوار ہیں

تعلقات قائم کر رکھے ہیں، پاکستانیوں کے لئے کشمیر میں ہندوستانی فوجوں سے لڑنا از روئے قرآن جائز نہیں۔"

جماعت اسلامی کشمیر کے جہاد کو جہاں مسلمان ہندوستان کی فوج اور ڈوگرہ کے ظلم و ستم سے نبرد آزما تھے ان کو ناجائز کہتی ہے۔ لیکن افغانستان میں جہاں مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا ہے اس کو جائز قرار دیتی ہے اس لئے کہ افغان مہاجرین کے لئے کمبل اور دوسری اشیاء کی سپلائی کا ٹھیکہ جماعت اسلامی کے مسلمین کو مل رہا ہے اور کروڑوں روپے کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ دیکھا آپ نے نام نہاد اسلام کے نقیبوں کا کردار۔

حصول اقتدار کے لئے مولانا مودودی نے اور نیا پینترہ بدلا۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ دین کے قیام کے لئے "مملکت کا اقتدار ضروری ہے"۔ اپنے استدلال میں مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ "جو

لگ تحریک پاکستان کی صف اول میں شامل تھے وہ ہمیں سچے مسلمان نظر نہیں آتے تھے۔ ہمارے دلوں میں اس تحریک کے اسلامی ہونے کے متعلق شک کی وجہ یہ تھی کہ ہم قائداعظمؒ کے خلاف نہیں تھے بلکہ اس پوری قیادت کے خلاف تھے جو تحریک پاکستان کو چلا رہی تھی۔ جب پاکستان قائم ہو گیا تو ہم نے اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد جاری رکھی۔
(پاکستان ٹائمز ۲۶/۹ ۱۱)

جماعت اسلامی کو اقتدار میں لانے کے لئے مولانا مودودی نے جو پینترا بدلا تحریک پاکستان سے پہلے ان کی نگاہ میں ایک مبہم نعرہ تھا لیکن قیام پاکستان کے بعد ہی خداداد اسلامی حکومت کے قیام کے لئے بہت موزوں ہو گیا۔

اقتدار کے حصول میں جماعت اسلامی نے جو کئی قلابازیاں کھائیں۔ اس اسمبلی میں جس میں یہ جماعت ناجائز تصور کرتی تھی اس میں اپنے ممبروں کو بھیجنے کے لئے الیکشن میں حصہ لیتی رہی اور ہمیشہ منہ کی کھاتی رہی اب جماعت اسلامی کا اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے تیسرا روپ شروع ہوتا ہے۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کا تیسرا روپ

جماعت اسلامی خود مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں جب ناکام ہو گئی تو اس نے سوچا کہ پاکستان تو ہماری سخت مخالفت کے باوجود وجود میں آگیا اب کسی طرح حکومت پر قابض ہونا چاہیئے بظاہر تو انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور جیسا کہ وہ خود تحریک پاکستان کے دوران کہہ چکے تھے کہ پاکستان اگر بنا بھی تو وہاں کافرانہ نظام ہو گا۔ اس لئے کہ جو لوگ تحریک چلا رہے ہیں ان کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے جماعت اسلامی جمہوریت اور انتخاب کی شدید مخالفت کر چکی تھی لیکن نظریات بدلنے اور قلابازی کھانے میں جو مہارت اسے حاصل ہے اس کے سامنے مغربی جمہوریت کی برائیاں ہیچ ہیں جماعت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ خود اپنے طے شدہ اصولوں سے بھی موقع پر انحراف کر جانا کوئی برائی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ دینی معاملات میں بھی وہ اپنے مؤقف پر قائم نہیں رہتی جیسا کہ محترمہ فاطمہ جناح اور ایوب خان کے انتخاب کے موقع پر دیکھنے میں آیا جماعت نے عورت کی سربراہی کا جواز پیدا کر لیا اور اس وقت بے نظیر بھٹو کی مخالفت میں ایک عنصر عورت کی سربراہی بھی ہے حالانکہ اس وقت بھی مختلف فیہ ہے کہ آیا پارلیمانی نظام میں عورت حقیقی معنوں میں سربراہ ہوتی بھی ہے

پاکستان میں مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی

یا نہیں خود علماء اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں بہرحال کوئی خالصتاً دینی اور مذہبی جماعت ہو تو اس کے لئے تو یہ مسئلہ اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے جماعت اسلامی کے نزدیک تو اس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں اس لئے کہ جماعت کے لوگ تقلید میں یقین نہیں رکھتے اس جماعت کے مورث اعلیٰ کے نزدیک حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی جہالت کی پیداوار ہیں۔ یہ لوگ براہ راست قرآن و سنت سے مسائل اخذ کر کے فتویٰ دیتے ہیں اسی لئے حرام حلال بن جاتا ہے اور ناجائز جائز۔ عورتوں کا انتخاب میں حصہ لینا یا جمہوری پارلیمنٹ کا رکن بننا، ووٹ دینا یا لینا حرام تھا۔ ۱۹۶۵ء سے جائز ہو گیا۔ خود انتخاب ہی مغربی طرز پر جائز نہیں تھا۔ اب جائز ہو گیا جماعت نے شروع میں تزکیہ نفس اور اصلاح مسلمین کا بیڑہ اٹھایا اس میں ناکامی کے بعد اب اقتدار پر قبضہ کی سوجھی اسی لئے ان کے بہت سے نامور ساتھی اور مصلحین انہیں داغ مفارقت دے گئے۔

ایوب خان مرحوم کے انتخاب کے وقت سے جماعت نے خالص سیاسی روپ دھار لیا۔ انتخابی جوڑ توڑ کا وہی طریقہ اختیار کیا جو سیاسی جماعتیں اختیار کرتی ہیں، ۱۹۷۰ء میں پاکستان میں پہلا عمومی جمہوری انتخاب منعقد ہوا۔ جماعت اسلامی نے اس انتخاب میں کھل کر حصہ لینے کا اعلان کیا۔ اس انتخاب میں اس نے وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کئے جو دوسری جماعتیں مسلم لیگ۔ پیپلز پارٹی اور دیگر پارٹیاں استعمال کرتی آ رہی ہیں۔ بڑے جتن کئے گئے، پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا۔ اس کے باوجود پورے ملک میں سالوں کی جدوجہد کے بعد صرف چار نشستیں حاصل ہو سکیں ظاہر بات ہے ان نشستوں سے اقتدار تو مل نہیں سکتا تھا

پاکستان جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا

جماعت کی خوش قسمتی سے یہ انتخاب پاکستان میں بحران کا باعث بن گیا۔ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریک جنرل یحییٰ کی ناکارہ پالیسیوں کی وجہ سے شروع ہو گئی۔ اس تحریک کو تقویت پہنچانے میں جماعت اسلامی اور پیپلز پارٹی دونوں ہی نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جس سے پوری قوم واقف ہے جماعت نے تو اقتدار کے نشہ میں مشرقی پاکستان کی بہت سی نشستوں پر ضمنی انتخاب لڑا۔ یہ نشستیں جنرل یحییٰ خالی قرار دے دی تھیں اس انتخاب میں عوام نے تو حصہ لیا نہیں بلکہ ایک قسم سے ان اراکین کی نامزدگی گورنر کے ذریعہ ہوئی۔ جماعت اسلامی نے صوبائی وزارت بھی قبول کر لی۔ اس وزیر صاحب کا کراچی میں جماعت اسلامی نے بڑا استقبال بھی کیا اور جماعت اسلامی کے سرکردہ افراد نے حکومت کی گاڑیوں میں بیٹھ کر اپنے وزیر کو کراچی کے مختلف علاقوں کا دورہ کرایا۔ نتیجہ کیا ہوا مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا۔ جماعت اسلامی کے الشمس اور البدر نے جو کچھ وہاں کیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

بھٹو صاحب کی اسمبلی میں جماعت اسلامی نے جو منافقانہ کردار ادا کیا اس سے بھی عوام واقف ہیں۔ بھٹو صاحب کو شملہ معاہدہ کیلئے شملہ جانے میں جماعت کے امیر نے ائیرپورٹ پر انہیں الوداع کیا۔ اور بھٹو صاحب سے خیر سگالی کا مظاہرہ کیا بعد میں وہ بھٹو صاحب اور شملہ معاہدہ کے جانی دشمن بن گئے۔ متحدہ حزب اختلاف بنی اور یو۔ ڈی۔ ایف کے نام سے بھٹو صاحب کے غیر جمہوری اقدامات کے خلاف تحریک چلانے کا پروگرام بنا عین وقت پر جماعت اسلامی نے سیلاب کا بہانہ کر کے تحریک کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ ادھر متحدہ حزب اختلاف کے ساتھ جماعت رہی۔ دوسری طرف موقع بہ موقع حکومت سے خفیہ گفت و شنید بھی جاری رہی۔ بھٹو صاحب کی پانچ سالہ حکومت سے عوام میں سخت بے چینی پیدا ہو گئی تھی پورا ملک معاشی، سیاسی، اخلاقی اور بین الاقوامی مسائل میں گھر گیا۔ دسمبر ۱۹۷۶ء میں اسمبلی توڑنے کا اعلان ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ مارچ ۱۹۷۷ء میں انتخاب کا اعلان ہوا۔ حزب اختلاف کی جماعتوں نے بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی کے خلاف پی این اے، پاکستان قومی اتحاد بنایا اور انتخاب میں مشترکہ طور پر حصہ لیا۔ اس میں بھی جگہ جگہ جماعت اسلامی نے جو رکاوٹیں پیدا کیں اس سے ملک کے سیاسی زعماء اچھی طرح واقف ہیں اتحاد کے تنظیم پر عہدہ کا مسئلہ پھر نشستوں کی تقسیم کا مسئلہ حلقوں کا مسئلہ ان تمام مسائل کو جماعت نے اپنی انا کا مسئلہ بنایا بہرحال کسی طرح گاڑی چلتی رہی۔ انتخابات ہوئے پیپلز پارٹی

پاکستان ایک مرگِ بیاباں ہوگا

ے بڑے پیمانے پر دھاندلی کی۔ پورا ملک غیض و غضب کی آگ میں جلنے لگا۔ اتحاد نے انتخابی نتائج قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پی این اے نے ملک گیر تحریک چلائی۔ سیکڑوں قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ عربوں روپیوں کی جائیدادیں تباہ ہوئیں ظلم و بربریت کے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ آخر میں بھٹو صاحب سے مذاکرات ہوئے۔ مذاکرات کی ٹیبل پر جماعت اسلامی کا نمائندہ بھی بیٹھا۔ مذاکرات کامیاب نہیں ہو سکے۔ یا ہو سکتا تھا کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے لیکن فوج میں جماعت اسلامی کے سرپرست جنرل ضیاالحق صاحب موجود تھے۔ انہوں نے موقع غنیمت جانا اور ایک رات کو اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اندر اندر جماعت کے لوگ خوش ضرور ہوئے اس لئے کہ کچھ ہی دن کے بعد اس کا برملا اظہار ہو گیا۔

جماعت اسلامی کے بانی کی تحریریں پڑھنے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ فسطائی طریقہ پر اقتدار پر قبضہ کرنے کے قائل ہیں جمہوری طریقہ ان کے نزدیک درست نہیں ہے۔ مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ جس کی پذیرائی بھی جماعت نے کی۔ ویسے بھی جنرل ضیاالحق صاحب مودودی صاحب کے بڑے معتقد تھے ان کا تفہیم القرآن فوج میں تقسیم کراتے تھے اور اردو وغیرہ میں بھی جماعتی کتابیں تقسیم کرتے تھے پی این اے کی تحریک میں جان اس لئے پڑی کہ اسے جمعیت علمائے پاکستان نے نظام مصطفےٰ کی تحریک بنا دیا۔ لیکن جماعت نے اس تحریک کے شہدا سے بھی غداری کی اور ضیاالحق صاحب کی حکومت میں کچھ دیگر پی این اے کے لوگوں کو لے کر شامل ہو گئی یہ سب کچھ مارشل لاء کے نفاذ سے ایک سال کے اندر ہو گیا۔ لہٰذا پی این اے میں دراڑ پڑ گئی۔ جمعیت علماء پاکستان اس سے علیحدہ ہو گئی۔ اس سے قبل جماعت کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر تحریک استقلال علیحدہ ہو چکی تھی

جنرل ضیاالحق صاحب نے ۱۹۷۹ء میں انتخابات کا اعلان کیا اس سے پہلے وہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں انتخابات کا اعلان اپنے وعدہ کے مطابق کر چکے تھے۔ لیکن اقتدار کی ہوس نے انہیں اسے ملتوی کرنے پر مجبور کیا اور دوسرا وعدہ ... دیا سے جماعتوں کے رجسٹریشن کا قانون بنایا بہت سی جماعتوں نے اپنے کو رجسٹرڈ کرا لیا۔ لیکن بیشتر پی این اے نے رجسٹریشن کا بائیکاٹ کیا۔ پیپلز پارٹی نے بھی رجسٹریشن ... ادھر جماعت اسلامی پی این اے کی میٹنگ میں رجسٹریشن کے مسئلہ پر مذاکرات میں شریک تھی۔ اُدھر چپکے سے اپنے آدمی کو رجسٹریشن کرانے کے لئے الیکشن کمشنر کے دفتر بھیج دیا اس طرح پی این اے کی جماعتوں کے ساتھ بھی جماعت نے وہی کردار ادا کیا۔ جو اس کا وطیرہ ہے۔

نو مہینہ تک جماعت اسلامی نے ضیاالحق صاحب کی حکومت میں جو ممکن مفادات ہو سکتے تھے حاصل کئے۔ ضیاالحق صاحب تو بھٹو صاحب کو پھانسی دینے کے لئے ان حضرات کو اپنا ہمنوا بنانا چاہتے تھے۔ سو انہوں نے اپنا مقصد پورا کر لیا۔ ادھر جماعت اسلامی بھی اپنے مقاصد پورے کر چکی تھی۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے تمام سیاسی جماعتوں کے وزراء کو دھکا دے دیا۔ اس کے بعد بظاہر جماعت اسلامی مارشل لاء کی مخالفت کرنے لگی۔ لیکن اس میں جماعت میں دو دھڑے ہو گئے۔ پنجاب کا دھڑا کھلی مخالفت سے گریز کرتا رہا۔ کراچی اور سندھ کا دھڑا سندھ کے مزاج کے مطابق مخالفت کرتا رہا۔ پورے مارشل لاء دور میں یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ پورے ملک میں جماعت اسلامی بحیثیت مارشل لاء کی بی ٹیم کام کرتی رہی۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جنرل ضیاالحق ریفرنڈم کو تمام سیاسی جماعتوں نے تسلیم کرنے اور اس میں حصہ لینے سے انکار کر دیا میاں طفیل محمد اور ان کے ہمنواؤں نے اسے غیر اسلامی قرار دیا۔ پروفیسر غفور اور ان کے کراچی کے دوسرے ساتھی خاموش تماشائی بنے رہے۔ جماعت کا سیاسی کردار لوگ دیکھتے رہے۔ یہی نہیں اقتدار پر قبضہ کرنے کا سنہرا موقع ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخاب میں آیا۔ ساری سیاسی جماعتوں نے اس غیر جماعتی انتخاب کا بائیکاٹ کیا۔ جماعت اسلامی نے اس میں بالواسطہ طور پر حصہ لیا۔ ادھر جمعیت علمائے پاکستان سے علیحدہ کئے ہوئے چند مفاد پرستوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ جماعت اسلامی کی شہرت اور سیاست کا اندازہ اسی انتخاب میں لگ گیا جب کہ سارا میدان خالی تھا اور اس جماعت کے روحانی سرپرست جنرل ضیاالحق کی آشیرباد بھی انہیں حاصل تھی مسلمانوں میں اسلام کا نیا

جماعت کے امیر نے بھٹو کو شملہ معاہدہ کیلئے ائیرپورٹ پر رخصت کیا

پاکستان میں جو اسمبلیاں بنیں گی ان کی رکنیت حرام ہے

جذبہ بھی جماعت کے لوگوں نے بھرپور انداز میں پیدا کر دیا لیکن اس انتخاب میں بھی پورے ملک میں نو یا دس نشستوں سے زیادہ یہ حاصل نہ کر سکے۔ جماعت اسلامی کی تعریف دو باتوں میں بہت ہوتی ہے ایک تو پیسوں کی فراوانی دوسرے اس کی تنخواہ دار تنظیم لیکن اس کے باوجود جماعت اسلامی ملک میں کوئی نمایاں سیاسی حیثیت حاصل نہ کر سکی۔ اس کی بنیادی وجہ فسطائی ذہنیت دوسرے اسلام کی من مانی تشریح، تیسرے اپنے علاوہ سب کو غیر صالح غیر اسلامی اور نام نہاد مسلمان تصور کرنا ضیاالحق کے پورے مارشل لاء دور میں بالواسطہ اور بلاواسطہ جماعت اس کی حمایت کرتی رہی اور اسے اسلامی دور تصور کرتی رہی حالانکہ پچھلے گیارہ سالہ مارشل لائی دور میں جتنا اسلام کو اور ... کو نقصان پہنچا ہے اتنا پاکستان کی پوری تاریخ میں نہیں پہنچ سکا۔ حقیقی معنوں میں عملی اسلام کہیں نافذ نہیں کیا گیا۔ صرف کاغذی، ریڈیائی اور ٹیلیویژن کی کارروائی نمایاں رہی۔ مارشل لاء کا دور جونیجو صاحب کی تین سالہ حکومت نے ختم کرنا چاہا کچھ کارروائی ہو بھی رہی تھی کہ یکایک جونیجو صاحب کی حکومت ختم کر دی گئی ممکن ہے اس کارروائی میں بھی پس پشت جماعت کا ہاتھ رہا ہو۔ لیکن قدرت کو اب مارشل لاء کی صورت میں منظور نہ تھا ضیاالحق صاحب حادثہ کا شکار ہو گئے اس طرح گیارہ سالہ تاریک دور بہت سی خرافات کا تحفہ دے کر جن میں کلاشنکوف کلچر، ہیروئن زدہ معاشرہ، لسانی علاقائی دہشت گرد تنظیموں کا عروج شامل ہے اپنے انجام کو پہنچا۔

نومبر ۱۹۸۸ء میں انتخابات ہوئے پیپلز پارٹی کو ضیاالحق صاحب جماعت اسلامی، لسانی دہشت گرد تنظیمیں نیز صدر غلام اسحاق خان اور جنرل مرزا اسلم بیگ نے برسر اقتدار لانے میں نمایاں کردار ادا کیا اور اب جماعت اسلامی پیپلز پارٹی کے خلاف تقض معاہدہ میں نبرد آزما ہے۔ اگر پھر فسطائی طور پر حکومت پر قبضہ کرنے کا موقع ملے اس لئے کہ جمہوریت اسے کبھی بھی راس نہیں آئی اور ... جماعت کے مخصوص لوگ جمہوریت کے خلاف ... ہیں

باقی صفحہ ۵۰ پر

مسلم لیگ کے اجلاس لاہور (۱۹۴۰ء) میں منظور کی جانے والی

قراردادِ پاکستان کا متن

(اپریل ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ لیجسلیٹرز کنونشن میں پاس کردہ قرارداد ہی اصل تقسیم کی بنیاد بنی)

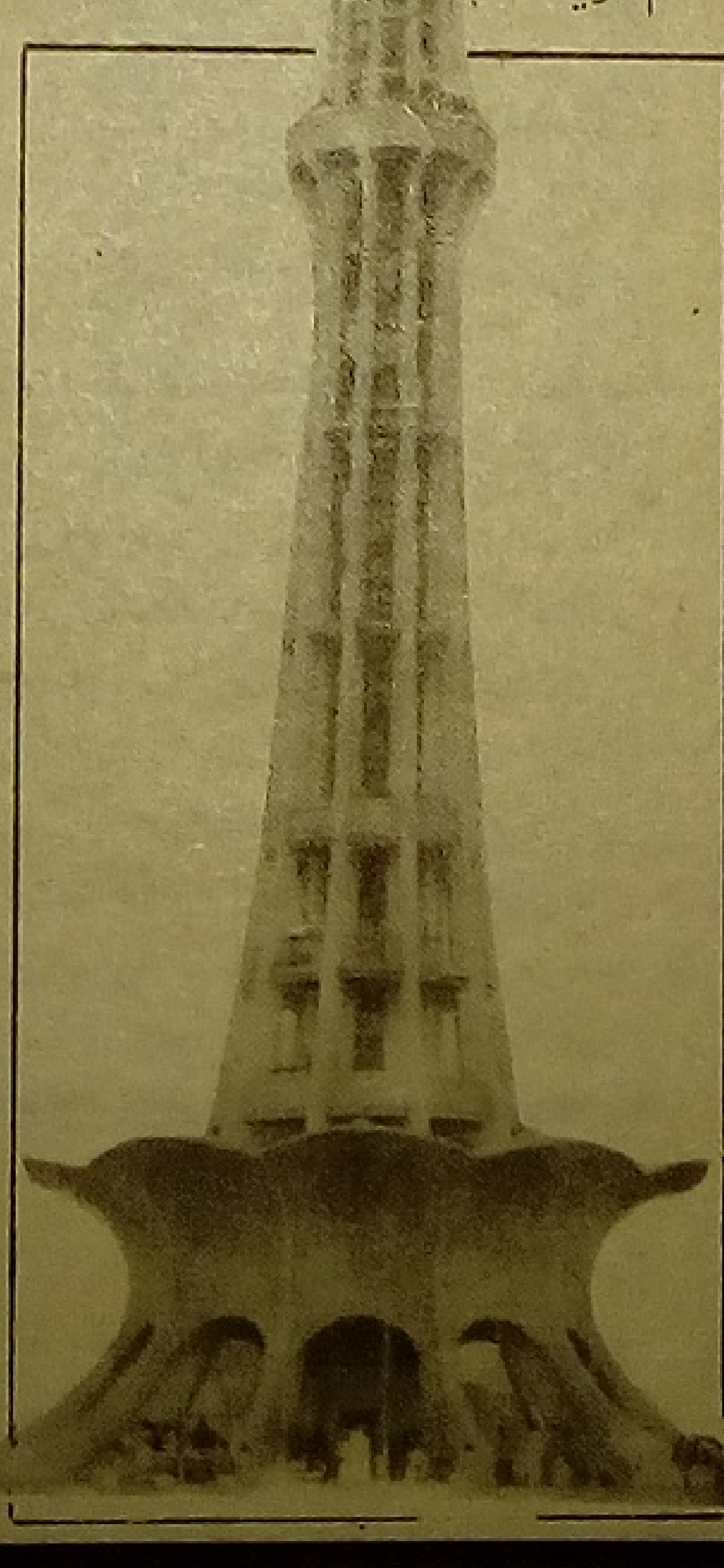
ہرگاہ کہ اس برصغیر میں بسنے والے دس کروڑ مسلمان ایک ایسے عقیدہ پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کی زندگی کے ہر شعبہ (تعلیمی معاشرتی اور سیاسی) کو منضبط کرتا ہے جو محض کچھ روحانی عقائد اور بعض مخصوص رسم و رواج اور تقریبوں تک محدود نہیں ہے۔ اور اس کے برخلاف ہندو دھرم فلسفہ حیات ہے جو ہزاروں سال سے ذات پات کی تفریق کی بنیاد پر ایک نظام قائم کئے ہوئے ہے اس دھرم نے ۶ کروڑ انسانوں کو اچھوتوں کے درجہ تک پہنچا دیا۔ انسان اور انسان کے درمیان غیر قدرتی حد بندیاں قائم کر دی ہیں۔

اور اس ملک میں بسنے والی عظیم اکثریت پر معاشرتی عدم مساوات اور معاشی ناہمواریاں پیدا کرنے والا نظام مسلط کر دیا ہے اور جو مسلمان عیسائی اور دوسری اقلیتوں کو معاشرتی اور معاشی طور پر غلام بنانے کے درپے ہے۔

ہرگاہ کہ ہندوؤں کا ذات پات کا نظام قوم پرستی، مساوات، جمہوریت اور تمام اچھے نظریات کا جن کا اسلام بھی علمبردار ہے کی ضد ہے اور ان کا صریح مخالف ہے۔

ہرگاہ کہ مشترکہ مقاصد و تصورات کو پیش نظر رکھ کر ایک متحدہ ہندوستان میں سب کے ارتقا کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مختلف اور متضاد تاریخی پس منظر تمدنی روایات اور معاشی، معاشرتی نظام نے ناممکن بنا دیا ہے اور ہرگاہ کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی دونوں الگ الگ قومیں ہی رہی ہیں۔

ہرگاہ کہ انگریز نے مغربی جمہوریتوں کے خطوط پر اکثریت کی حکومت کی بنیاد پر ملک میں سیاسی اداروں کا قیام عمل میں لایا ہے جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ایک قوم کی اکثریت دوسری قوم کی اکثریت پر اس کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی ٹھونس سکتی تھی اور یہ بات ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگریس کے ڈھائی سالہ دور حکومت میں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی ان ڈھائی سالوں میں مسلمانوں کو ناقابل بیان طریق پر خوف زدہ کیا گیا اور اسی کے نتیجہ میں ان نام نہاد تحفظات کی جو دستور اور ہدایات برائے گورنروں میں دیئے گئے ہیں، اصل حقیقت سے واقف ہو کر اس نتیجہ پر پہنچے اگر کوئی متحدہ ہندوستانی فیڈریشن تشکیل پا گئی تو مسلمان مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی منصفانہ سلوک کی توقع نہیں کر سکتے اور مرکز میں بھی ہندو اکثریت کے ہاتھوں ان کے حقوق و مفادات کا کبھی بھی تحفظ نہ ہو سکے گا۔



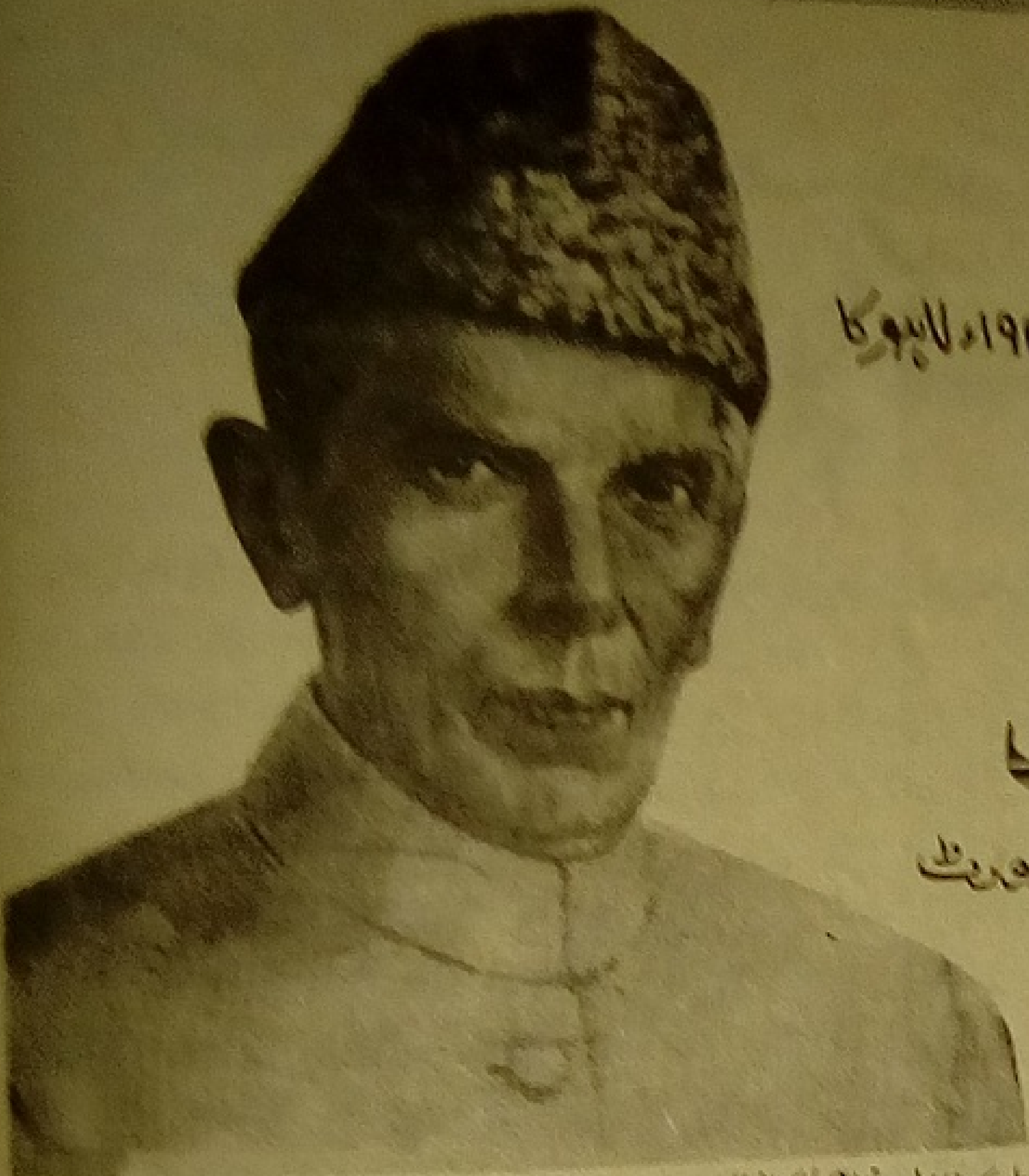
اور ہرگاہ کہ مسلمان اس حتمی فیصلہ پر پہنچ چکے ہیں کہ مسلم ہندوستان کو ہندوؤں کے غلبہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اور خود اپنے تصورات و نظریات کے مطابق اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنے کے پورے مواقع حاصل کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ شمال مشرق میں بنگال و آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ایک خود مختار آزاد ریاست کا قیام عمل میں آئے

اس لئے مرکز اور صوبوں میں قانون ساز اسمبلیوں کے مسلم لیگی ممبروں کا یہ کنونشن اچھی طرح غور و خوض کے بعد یہ اعلان کرتا ہے کہ مسلم قوم متحدہ ہندوستان کے لئے کسی دستور کو بھی تسلیم نہیں کریگی اور نہ ہی اس مقصد کے لئے بنائے جانے والے کسی ادارے میں شرکت کرے گی اور یہ واضح کرتا ہے کہ برطانوی حکومت کا ہندوستانی عوام کو اختیارات حکومت منتقل کرنے کا کوئی فارمولا اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک کوئی مندرجہ ذیل منصفانہ اصولوں پر جو ایک ملک میں داخلی امن و استحکام برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں پورا نہ اترتا ہو۔

(۱)۔ کہ شمال مشرق میں بنگال اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے علاقوں پر جو پاکستانی علاقے ہیں اور جہاں مسلمان واضح اکثریت میں ہیں مشتمل ایک آزاد خود مختار ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس بات کی غیر مبہم یقین دہانی کی جائے کہ بغیر کسی تاخیر کے پاکستان کی تشکیل کر دی جائے گی۔

(۲)۔ کہ پاکستان اور ہندوستان کے عوام دو علیحدہ علیحدہ دستور ساز ادارے تشکیل دیں جو ہر دو

باقی صفحہ ۵۰ پر



آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس ۱۹۴۰ء لاہور کا

آنکھوں دیکھا حال اور قائداعظم کا خطاب

مکمل رپورٹ

آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس لاہور میں ۲۲ اور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منعقد ہوا۔ مسلم لیگ کے اجلاس کو تحریکِ پاکستان میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اجلاس میں کم و بیش ۵۰ ہزار سے زیادہ لوگ شریک ہوئے۔ "قراردادِ لاہور" منظور کی گئی جسے بعد ازاں قراردادِ پاکستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یوں اس قرارداد کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کا نصب العین پاکستان قرار پایا۔ اس موقع پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو خطبۂ صدارت دیا وہ تحریکِ پاکستان میں بہت اہم مقام رکھتا ہے۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس کی روداد کئی لحاظ سے تاریخی اور دستاویزی اہمیت کی حامل ہے۔ ۲۳ مارچ یومِ پاکستان کے حوالے سے ہم آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی مکمل روداد جس میں قائداعظم کا خطبۂ صدارت اور قراردادِ لاہور کا مکمل متن بھی شامل ہے، قارئینِ احوال کے مطالعہ کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ اسے ہم نے جناب شریف الدین پیرزادہ کی کتاب (EVOLUTION OF PAKISTAN) پاکستان منزل بہ منزل سے لیا ہے۔ جس کے لئے ادارہ ان کا مشکور ہے۔

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء

پر شکوہ مغلوں کی عظمت و شوکت کے نقشے کھینچے آتے ملحق اور اس کے سایہ میں کل ہند مسلم لیگ کا ستائیسواں اجلاس جمعہ کے دن ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک پنڈال میں شروع ہوا۔ یہ جلسہ گاہ شاید خاص طور پر بنے ہوئے شہر لاہور کے ایک وسیع میدان میں بڑے خوبصورت انداز میں آراستہ کیا گیا تھا اور اس کے وسط میں نصب کیا گیا تھا۔ منٹو پارک میں ایک وسیع و عریض پنڈال نصب کیا گیا تھا جس میں ۶۰ ہزار سے زیادہ آدمیوں کی نشستوں کا انتظام تھا۔ یہ مقام شاہی قلعہ سے کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر شمال مغرب اور بادشاہی مسجد کے بالکل سامنے تھا۔ مغرب کی جانب کوئی ڈھائی میل کے فاصلے پر شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کے مقبرے ہیں۔

اور جہانگیر کی طرف جانے والی سڑک کے فاصلے پر تھا جہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھی واقع ہے۔ اصل مکان جلسہ گاہ کے چاروں طرف سے سیکڑوں سفید خیموں سے گھری ہوئی تھی اور خیموں میں مندوبین اور مہمانوں کے قیام کا انتظام تھا۔ دو بجے دو منٹ کے مقررہ وقت سے پہلے پنڈال سامعین سے کھچا کھچ بھر گیا تھا اور ایک بہت بڑے مجمع کو پنڈال سے باہر نصب کردہ لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے جلسہ کی کارروائی کو سننے پر مجبور ہونا پڑا۔ پنڈال کے باب الداخلہ میں آنے کے لئے جو کمانیں بنائی گئی تھیں اور جھنڈیاں لگائی گئی تھیں ان میں لیگ کا سبز جھنڈا سب سے نمایاں تھا۔ مختلف صوبائی مسلم لیگوں کے رضاکار اپنے جھنڈوں کے ساتھ منظم اجتماع کا انتظام کر رہے تھے۔ ان کی وردیاں بھی سبز رنگ کی تھیں۔ کچھ جوش کے نعرے اور لوگوں نے جھنڈا لہرایا۔ اللہ اکبر اور جوش کے نعروں کے بعد لیگ اور قائداعظم کی محبت میں [illegible] اور آسمان کے نیچے اس کی تشبیہات اور استعارات پُرشکوہ تھے۔ اسی تمدن جوش و خروش بھی ان میں تھا۔ قائداعظم کوئی دو بجے دو منٹ پر تشریف لائے۔ مجلس استقبالیہ کمیٹی نے ان کا استقبال کیا۔ نوجوانوں کی ایک جماعت مسلح پنجابی گارڈ کی ہوئی پنڈال کے وسط تک انہیں لے کر آئی اور ڈائس پر لائی۔ [illegible] دونوں جانب [illegible] خاکسار نوجوان قائداعظم کے ساتھ تھے [illegible] مارچ کے ساتھ ساتھ جلوس تھا۔ یہ بمبئی کے صوبائی مسلم نیشنل گارڈ کے رضاکاروں کا دستہ تھا جو اس قدر عظیم اجتماع کو [illegible] تھا۔ تقریباً ایک لاکھ تماشائیوں کے فلک شگاف نعرے "قائداعظم زندہ باد" سے گونج اٹھے۔

تلاوت کلام پاک کے بعد کئی نظمیں پڑھی گئیں۔ میاں بشیر احمد کی "ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح" بھی پڑھی گئی۔ مجلس استقبالیہ کے صدر نواب شاہنواز ممدوٹ نے اپنا خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ مندوبین کا خیر مقدم کرتے ہوئے [illegible] خان نے کہا۔

"مسلم لیگ کا کارنامہ جس نے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو ایک ایسے خطرے سے محفوظ کر دیا جو ان کے وجود ہی کو ختم کئے دے رہا تھا ہندی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک سنہرا اور روشن باب بن کر باقی رہے گا۔ کل ہند مسلم لیگ آج کل ان خطوط پر کام کر رہی ہے جس سے نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی زندگی اور آزادی کا تیقن حاصل ہوگا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دیگر فرقوں کی آزادی کا بھی تحفظ و تیقن حاصل ہو سکے گا۔"

وہ اس بات پر بہت خوش تھے کہ مسلمانوں نے اپنی نمائندہ تنظیم کے اس نصب العین کو بہت شدت سے اپنا لیا ہے اور اس کو خوب دل نشین کر لیا ہے اور وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مقرر نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آزاد ہندوستان میں آزاد مسلمانوں کا نصب العین ایک ایسا نصب العین ہے جسے نہ تو حکومت برطانیہ اور نہ کانگریس غیر معقول یا ناموزوں کہنے کی جرأت کر سکتی ہے۔ کل ہند مسلم لیگ آزادیٔ ہند کے مقصدِ اعلیٰ کو سر آنکھوں پر جگہ دیتی ہے لیکن وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ مسلمانوں کے حقوق اکثریتی فرقے والے غصب کر جائیں۔ مسلمان ہر اس اصلاحی اسکیم کو مسترد کر دیں گے جو مسلم حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہ دے۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ پر روشنی ڈالتے ہوئے سر شاہنواز خان نے کہا کہ مغربی طرز کی حکومت ہندوستان کے لئے موزوں نہیں ہے اور اکثریتی صوبوں میں گزشتہ ڈھائی سالہ کانگریسی نظم و نسق اس کو بہت اچھی طرح سے ثابت کرتا ہے۔ مسلمان کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ ایک ایسی قوم کی ماتحتی اور غلبہ میں رہیں جس کی مذہبی، ثقافتی اور تمدنی کوئی قدر ان سے مشترک نہ ہو۔ سر شاہنواز نے مزید کہا کہ یورپی قومیں دوسری اقوام کا غلبہ و تسلط برداشت نہیں کر سکتیں۔ حالانکہ عملی طور پر وہ ایک ہی مذہب، ثقافت اور تہذیب سے منسلک ہیں۔ فرقہ وارانہ مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے سر شاہ نواز نے کہا گزشتہ صدی کے ربع آخر میں کوئی ۲۵ مرتبہ کوششیں کی گئیں۔ لیکن ہنوز کوئی تصفیہ نہیں کیا جا سکا۔ ہر مرتبہ بات چیت کے ٹوٹ جانے کا سبب یہی ہوتا رہا ہے کہ کانگریس مسلمانوں کے لئے جداگانہ حق رائے دہندگی کے بنیادی اصول کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی رہی اور اگر انہوں نے اقرار بھی کیا تو وہ اس صورت میں کہ مسلمان اپنی آزادی اور حیثیت عرفی کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ صوبائی مختاری کا حوالہ دیتے ہوئے سر شاہنواز نے کہا کہ ایک مقبول عام حکومت کو عمدہ اور مؤثر طریقہ پر چلانے کے لئے اکثریت کو چاہیے کہ اقلیتوں کو مطمئن کرے اور ہر ممکنہ طریقہ پر ان کے اندر اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کرے لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے بہت افسوس کا اظہار کیا کہ کانگریس کا رویہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ سر شاہنواز نے تشریح کی کہ کس طرح حکومت پنجاب اقلیتوں کو مطمئن کرنے کے لئے اور انہیں خوش و خرم رکھنے کے لئے ہر طریقہ اختیار کر رہی ہے۔ پنجاب اور بنگال میں اقلیتوں کو پوری پوری نمائندگی دی گئی ہے۔ گزشتہ تین سال میں حکومت پنجاب جنوب مشرقی پنجاب کے قحط زدہ دیہاتیوں پر جن کی اکثریت ہندو جاٹوں پر مشتمل ہے پونے تین کروڑ روپیہ خرچ کر چکی ہے۔ اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے سر شاہنواز خان نے بتایا کہ بعض بہت ہی نمایاں مسلم قائدین نے اپنی قوم سے قطع تعلق کر کے کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی ہے جو ہندوستان کی آزادی کے لئے نہیں لڑ رہی ہے بلکہ انگریزوں کے بعد کانگریس اور ہندوؤں کے غلبہ اور تسلط کے لئے لڑ رہی ہے۔"

"دی ٹائمز آف انڈیا" کے خصوصی نامہ نگار نے لکھا ہے "اردو زبان میں اس نقاب کشائی کا تالیوں کی گونج سے استقبال کیا گیا۔ ہر شخص خطبۂ صدارت کو سننے کا مشتاق

اس اجلاس میں قائداعظمؒ نے برجستہ تقریر کرنے کا فیصلہ کیا۔

تھا۔ مسٹر جناح (قائداعظم) نے برجستہ تقریر کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا بولیں گے اور ان سے کن باتوں کی توقع کی جائے۔ وہ کوئی دو گھنٹے تک بولے۔ ان کا لہجہ کبھی سخت ہو جاتا کبھی نرم، کبھی ناقدانہ تو کبھی طنزیہ، کبھی گہرا اور بارعب تو کبھی بے حد مشفقانہ۔ ان کی شخصیت کا کچھ ایسا اثر، دبدبہ اور رعب تھا کہ حاضرین جلسہ میں ایک بہت ہی قلیل تعداد کے علاوہ سب کے سب وہ لوگ تھے جو انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ جانتے تھے مگر انہوں نے سامعین کو اپنے سحر سے مسحور کر دیا تھا اور ان کے جذبات پر ملانیہ تاثرات سے ان کا جس طرح سے دل چاہ رہا تھا کھیل رہے تھے۔

"ایسوی ایٹڈ پریس آف انڈیا نے اطلاع دی تھی کہ مسٹر جناح نے جب اپنا برجستہ خطبہ دیا جو ایک سو منٹ تک مسلسل جاری رہا اور جس میں وقتاً فوقتاً بے پناہ اور پُرشور تالیوں کی گونج سے خلل اندازی ہو جاتی تھی تو اس ایک لاکھ سے زیادہ افراد کے اجتماع میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں شاعرِ اسلام اور تصورِ پاکستان میں جان ڈالنے والے مرحوم سر محمد اقبال یاد آ گئے جن کا مقبرہ لیگ پنڈال سے بہت ہی کم فاصلے پر ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے اجتماعات میں یہ اجتماع سب سے زیادہ نمائندہ اجتماع تھا جو مسٹر جناح (قائداعظم) کی خطابت سے مستفیض ہوا۔ پنجاب، بنگال اور آسام کے وزراء اور مرکزی اور صوبائی مقننہ کے بیشتر مسلم اراکین نے اس میں شرکت کی۔ اس اجلاس کی ایک اہم خصوصیت غالباً مسلم خواتین کی اس قدر کثیر تعداد میں اس قسم کی عوامی تحریک میں شرکت تھی اور مسلمانوں کی فوجی تنظیم نیشنل گارڈز کا وجود جو تمام انتظامات کی نگران تھی۔ اتنے بڑے مجمع کو قابو میں رکھنے کی ذمہ دار۔

خطبۂ صدارت کا متن درج ذیل ہے۔

"خواتین و حضرات!

کل ہند مسلم لیگ کا آخری بار اجلاس دسمبر ۱۹۳۸ء میں بمقام پٹنہ منعقد ہوا تھا۔ اس کے بعد سے لے کر اب تک حالات میں کافی تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئی ہیں۔ سب سے پہلے میں آپ سے مختصراً یہ بیان کروں گا کہ ۱۹۳۸ء کے پٹنہ اجلاس کے بعد سے کل ہند مسلم لیگ کو کن باتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کو یاد ہے کہ کئی ایک فرائض میں سے ایک فرض جو ہم پر عائد کیا گیا تھا اور جو اب تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا ہے وہ مسلم لیگ کی سارے ہندوستان میں تنظیم کرنے کا تھا۔ اس جانب گزشتہ پندرہ ماہ میں ہم نے بے پناہ سرخروئی حاصل کی ہے اور بے اندازہ ترقی کی ہے اور آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے ہم خوشی محسوس کرتے ہیں کہ ہر صوبہ میں ہم نے صوبائی لیگیں قائم کر دی ہیں۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مجالس مقننہ کے ہر ضمنی انتخاب میں ہمیں بہت طاقتور حریفوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ہماری اس ساری آزمائشوں کے دوران مسلمانوں نے جس ہمت و استقلال اور جس جوش و خروش کا ثبوت دیا ہے اس پر میں انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ ابھی حال میں صوبہ جات متحدہ کی کونسل کے جو انتخابات ہوئے تھے، اس میں مسلم لیگ نے سو فیصدی کامیابی حاصل کی تھی۔ مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں ہم نے کس حد تک ترقی کی ہے اور کیا کیا کام کر لئے ہیں ان کی تفصیلات سنا کر میں آپ کو اس وقت پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ میں آپ سے صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کام دن دُگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے اجلاس پٹنہ میں خواتین کی ایک

کمیٹی مقرر کی تھی۔ وہ ہمارے لئے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس لئے کہ میرا خیال یہ ہے کہ ہماری حیات اور موت کی اس جدوجہد میں خواتین کو شرکت کا ہر موقع فراہم کرنا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے۔ عورتیں اپنے گھروں کی چار دیواری میں رہ کر اور پردہ میں بھی رہ کر بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ ہم نے اس کمیٹی کو اس خیال سے مقرر کیا تھا کہ انہیں لیگ کے کام میں حصہ لینے کے قابل بنایا جائے۔ اس مرکزی کمیٹی کے مقاصد یہ تھے (۱) صوبائی اور اضلاعی مسلم لیگیوں کی تنظیم کرنا۔ (۲) خواتین کی ایک بڑی تعداد کو مسلم لیگ کی رکنیت دلانا۔ (۳) سارے ہندوستان کی مسلم خواتین میں پرچار کرنا تاکہ ان کے اندر زیادہ سے زیادہ سیاسی بیداری پیدا کی جا سکے۔ اس لئے کہ اگر ہماری عورتوں میں سیاسی شعور پیدا ہو جائے تو یاد رکھئے کہ آپ کے بچوں کو کسی قسم کی پریشانی اٹھانی نہیں پڑے گی۔ (۴) مسلم سماج کی بہبود اور فلاح سے متعلق تمام امور پر خواتین کی رہنمائی کرنے کے لئے اور انہیں مشورہ دینے کے لئے اس مرکزی کمیٹی نے (مجھے یہ کہتے ہوئے بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ) اپنا کام نہایت سنجیدگی اور پورے خلوص کے ساتھ شروع کیا۔ وہ اب تک بہت کارآمد اور مفید کام کر چکی ہے۔ مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ ہم جب ان کے طے کئے ہوئے پروگرام کی تکمیل کریں گے تو ہم یقیناً ان کی خدمات کے ممنون و شکر گزار ہوں گے جو انہوں نے مسلم لیگ کی کی ہیں۔

جنوری ۱۹۳۹ء سے جنگ کے آغاز تک ہمیں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ناگپور میں ہمیں ودیا مندر کا سامنا کرنا پڑا اور سارے ہندوستان میں ہمیں واردھا اسکیم کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ہمیں کانگریسی حکومت کے صوبوں میں مسلمانوں سے بدسلوکی اور ان پر تشدد اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمیں اس برتاؤ سے واسطہ کرنا پڑا جو ہندوستانی ریاستوں مثلاً جے پور اور بھاؤنگر میں مسلمانوں کے ساتھ حیوانی برتاؤ میں کیا گیا تھا۔ راجکوٹ کا معاملہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی جس میں کانگریس نے مبتلا کیا تھا اور جس سے قریب ایک تہائی ہندوستان متاثر ہو جاتا۔ چنانچہ اس طرح مسلم لیگ کو جنوری ۱۹۳۹ء سے جنگ کے اعلان سے قبل تک مختلف معاملات اور مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ جنگ کے اعلان سے پہلے ہندوستان کے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا خطرہ لاحق تھا وہ مرکزی حکومت میں وفاقی اسکیم کا آغاز و نفاذ تھا۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم مرکزی وفاقی حکومت کی خطرناک سکیم کو جو حکومت ہند کے قانون ۱۹۳۵ء میں تجویز کی گئی ہے کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ برطانوی حکومت کو اپنا ہم خیال بنانے کے سلسلے میں مسلم لیگ نے جو کردار انجام دیا ہے وہ بلاشبہ کوئی معمولی یا چھوٹا موٹا نہیں تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز ایک متمرد اور ضدی قسم کی قوم ہے اور وہ بے حد قدامت پسند بھی ہیں اور گو وہ بہت چالاک ہیں تجربات بھی بہت دیر میں کرتے ہیں۔ وہ کچھ زود فہم نہیں ہیں۔ جنگ کے اعلان کے بعد وائسرائے قدرتاً مسلم لیگ کی امداد کے خواستگار ہوئے۔ بس اسی وقت ہی انہیں اس بات کا اندازہ ہوا کہ مسلم لیگ واقعتاً ایک طاقت ہے۔ اس لئے یہ چیز کبھی فراموش نہ ہوگی کہ جنگ کے اعلان سے قبل تک وائسرائے نے کبھی مجھے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ البتہ گاندھی اور صرف گاندھی ان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے۔ میں مجلس مقننہ میں ایک اہم جماعت کا قائد کافی عرصہ سے ہوں۔ یعنی اس عرصہ سے بھی زیادہ جتنے عرصہ سے مجھے مرکزی مجلس مقننہ میں مسلم لیگ پارٹی کی قیادت کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود وائسرائے نے اس سے قبل مجھے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ چنانچہ جب مجھے مسٹر گاندھی کے ساتھ وائسرائے کا یہ دعوت نامہ ملا تو میں دل ہی دل میں بہت حیران ہوا کہ آخر کیوں اچانک مجھے یہ ترقی اور اعزاز عطا کیا گیا ہے۔ میں بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچا کہ یہ صرف کل ہند مسلم لیگ ہی کا اعزاز ہے جس کا اتفاق سے میں صدر ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ سب سے بڑا صدمہ تھا جو کانگریس کی اعلیٰ کمان کو سہنا پڑا۔ اس لئے کہ ہندوستان کی جانب سے انہوں نے جو بلا شرکت غیرے خود ہی سند حاصل کر لی تھی اور اپنے آپ ہی مستند بن بیٹھے تھے۔ اس پر اس سے بڑی سخت ضرب پڑی تھی اور یہ بات بھی مسٹر گاندھی اور کانگریس اعلیٰ کمان کے رویہ سے بالکل عیاں ہے کہ وہ اس صدمہ سے ابھی تک سنبھل نہیں سکے ہیں۔ میرا نکتہ دراصل یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی تنظیم کی اہمیت، وقعت، حیثیت اور قدر و قیمت کو محسوس کریں اور سمجھیں۔ اس موضوع پر اب اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں کہوں گا۔ لیکن ابھی بہت سا کام باقی ہے جس کو نمٹانا ہے۔ جو کچھ میں دیکھ سکتا ہوں اور سن رہا ہوں اس کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ مسلم ہندوستان اب باشعور ہے اور بیدار ہے اور مسلم لیگ ایک ایسے طاقتور ادارہ کی صورت میں پروان چڑھ چکی ہے کہ اب وہ کسی کے ہاتھوں تباہ و برباد نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ کوئی طاقت یا ذات کیوں نہ ہو۔ افراد آئیں گے اور گزر جائیں گے لیکن لیگ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی۔

اب میں اس عرصہ کا ذکر کرتا ہوں جو جنگ کے اعلان کے بعد کا ہے۔ ہماری حالت کچھ ایسی تھی جیسے کوئی شخص گہرے سمندر میں اور خبیث روحوں کے جزیرے کے درمیان گھرا ہو لیکن میں نہیں سمجھتا کہ گہرا سمندر اور خبیث روحوں کا جزیرہ اس سے مفر حاصل کرے گا۔ بہرحال ہماری حیثیت اور مقام یہی ہے۔ ہم ہندوستان کی آزادی کے غیر مبہم طور پر علمبردار ہیں لیکن یہ آزادی سارے ہندوستان کے لئے ہونی چاہئے نہ کہ صرف ایک حصہ کے لئے اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات کانگریس کی ہے جس کا انتخابی منشور اور مطمع نظر ہی مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو غلامی میں مبتلا کر کے خود حکومت کرنا ہے۔

ہندوستان میں جس طرح کہ ہم آباد ہیں۔ قدرتی طور پر ہمارے پاس گزشتہ تجربات کا ایک انبار عظیم ہونا چاہئے اور بالخصوص کانگریسی حکومت کے صوبوں میں صوبائی دستور کے گزشتہ ڈھائی سالہ عرصہ کے تجربات سے ہمیں کئی ایک سبق ملے ہیں۔ چنانچہ ان ہی وجوہات کی بنا پر ہم بہت زیادہ محتاط اور خائف ہیں اور کسی پر اعتماد نہ کرنے کا قاعدہ بے حد دانشمندانہ اور معقول ہے۔ بعض اوقات ہم لوگوں پر اعتماد کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن جب ہمیں واسطہ پڑتا ہے اور حقیقی تجربہ ہوتا ہے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی گئی ہے اور مجروح کیا گیا ہے۔ پھر یقیناً وہ کسی بھی شخص کے لئے ایسا کافی و شافی سبق ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ہمیں دھوکا دیا ہو اور ہمارے اعتماد کو مجروح کیا ہو ہم ان پر اعتماد کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور ان پر بھروسہ نہیں کرتے۔

خواتین و حضرات! ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ کانگریسی اعلیٰ ہائی کمان کانگریسی حکومتوں کے صوبوں ایسی حرکتیں کرے گی اور اس انداز میں کارروائیاں کرے گی جیسی کہ انہوں نے فی الواقعی کیں۔ میرے تصور میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ کبھی کسی مرحلہ پر اس قدر نیچے اتر آئیں گے اور اتنی پست ذہنیت کا مظاہرہ کریں گے جتنی پستی کا مظاہرہ انہوں نے کیا۔ میں کبھی یہ یقین نہ کر سکتا تھا کہ ہم دنوں، ہفتوں بلکہ مہینوں تک گڑگڑاتے اور گزارشات کرتے، آہ و بکا کرتے رہیں اور گورنر صاحبان آنکھیں بند کئے خاموش پڑے رہیں اور گورنر جنرل لاچار اور بے بس بنا رہے۔ ہم نے ان کو وہ خصوصی ذمہ داریاں یاد دلائیں جو ہمارے لئے اور دیگر اقلیتوں کے سلسلے میں ان پر عائد ہوتی تھیں اور وہ پرخلوص وعدے اور مقدس عہد جو انہوں نے ہم سے کئے تھے لیکن وہ ساری چیزیں نقار

ان سے یہ توقع کی جاتی ہے جو جوش و خروش سے رہنے والے ہماری مدد کے لئے آ پہنچیں گی اور وہ حفاظ سپاہیوں کی تحریک ختم ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے کانگریس نے کرپس انتداب کو چھوڑ دیا۔ بہرحال ہے کہ اب ان کے استعفوں کا سوال پیدا ہو گا۔ وہ مستعفی ہو کر بیٹھ رہے ہوں گے۔ ان کے سر کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ جو میرے اختیار میں ہے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو اس انداز سے منظم کریں کہ آپ کو بڑی سے بڑی قوت بلا روک ٹوک اور پر بھروسہ نہ کرنا پڑے۔

یہی ایک صورت آپ کے تحفظ کی ہے۔ سب سے عمدہ اور واحد صورت اپنے اوپر بھروسہ رکھنے کی اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہمیں اوروں سے پرخاش رکھنی چاہئے یا دوسروں کی بدخواہی کے درپے ہونا چاہئے اور اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے آپ کو اپنے اندر صلاحیت اور قوت پیدا کرنی چاہئے کہ آپ اپنی مدافعت کے قابل ہو سکیں۔ میں اسی چیز کی ترغیب دینا چاہتا تھا اور اسی کی جانب توجہ دلانا چاہتا تھا۔ اب آیئے دیکھیں کہ آئندہ دستور کے سلسلے میں ہماری پوزیشن کیا ہے؟

وہ یہ ہے کہ جونہی حالات اجازت دیں یا زیادہ سے زیادہ جنگ کے فوراً بعد ہندوستان کے آئندہ دستور کے سارے مسئلہ کا نئے سرے سے جائزہ لیا جانا چاہئے اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانا چاہئے۔ ہم اس بات میں یقین تجدید کیے کہ برطانوی حکومت سے کہا جائے کہ وہ اعلانات کریں۔ آپ برطانوی حکومت سے اعلانات کرنے کی درخواست کریں اس کو کہے سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ مگر بہرحال کانگریس نے وائسرائے سے درخواست کی تھی کہ وہ ایک اعلان کریں۔

وائسرائے نے کہا "میں اعلان کر چکا ہوں"۔ کانگریس بولی "جی نہیں۔ جی۔ نہیں۔ ہم ایک دوسری قسم کا اعلان چاہتے ہیں۔ آپ کو اب اور فی الفور یہ اعلان کرنا چاہئے کہ ہندوستان ایک ایسی مجلس دستور ساز کے ذریعہ اپنا دستور وضع کرنے کے حق میں آزاد و خود مختار ہے جو بالغ حق رائے دہی یا جتنی اور چھوٹی عمر کے لوگوں کو حق مل سکتا ہے اس کی بنیاد پر منتخب ہو سکے۔ یہ مجلس دستور ساز یقیناً اقلیتوں کے جائز مفادات کا خیال رکھے گی اور انہیں مطمئن کرے گی۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اگر اقلیتیں مطمئن نہیں ہوتی ہیں تو وہ ایک اعلیٰ معیاری اور بے حد غیر جانبدار ثالث کے تقرر پر آمادہ ہیں جو اس قضیہ کا تصفیہ کرے۔

کانگریس سوائے ہندوؤں کے اور کسی کی نمائندگی نہیں کرتی

اس تجویز کی غیر عملی نوعیت سے قطع نظر اور اس امر واقع سے بالکل قطع نظر کہ تاریخی اور دستوری اعتبار سے یہ بات احمقانہ اور لایعنی ہے کہ ایک حکمراں طاقت سے کہا جائے کہ وہ ایک دستور ساز اسمبلی کے حق میں اپنے اقتدار و اختیار سے دستبردار ہو جائے۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر فرض کیجئے کہ ہم اس رائے دہندگی سے متفق نہ ہوں جس کی رو سے مرکزی مقننہ کو منتخب کیا جائے گا یا فرض کیجئے ہم جو مسلمان نمائندوں کی ایک ٹھوس جماعت ہیں مجلس دستور ساز میں غیر مسلم اکثریت سے متفق نہ ہوں۔ تو پھر کیا ہوگا؟ کہا یہ جاتا ہے کہ ہمیں کسی اس کا یا معاملہ کی حد تک اتفاق نہ کرنے کا یا معترض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے جو یہ مجلس دستور ساز اس وسیع برصغیر کے لئے دستور کو تشکیل دینے کے سلسلے میں کرے گی۔ بجز ان امور کے جو اقلیتوں کے تحفظات کے موضوع سے متعلق ہوں۔ ہمیں جداگانہ رائے دہندگی کے ذریعہ اپنے نمائندوں کو بھیجنے کی مراعات بھی دی گئی ہیں۔ اس تجویز کی بنیاد اس مفروضہ پر رکھی گئی ہے کہ جونہی دستور نافذ العمل ہوتا ہے برطانوی بالادستی ختم ہو جائے گی۔ بصورت دیگر اس سارے جھنجھٹ کا کوئی مطلب ہی نہ ہوگا۔ بلاشبہ مسٹر گاندھی فرماتے ہیں کہ "دستور یہ فیصلہ کرے گا کہ انگریز کا اقتدار ختم ہو جائے گا یا نہیں۔ اور اگر ختم ہو جائے گا تو کس حد تک۔" دوسرے لفظوں میں ان کی اس تجویز کے یہ معنی ہوئے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ پہلے مجھے ایک فرمان عطا کرو کہ ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم ہیں پھر میں یہ فیصلہ کروں گا کہ اس کے عوض مجھے تمہیں کیا دینا چاہئے۔ کیا مسٹر گاندھی جب اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو واقعی وہ ہندوستان کی مکمل آزادی چاہتے ہیں؟ لیکن خواہ انگریز باقی رہیں یا چلے جائیں بہرحال سب اختیارات عوام کو منتقل کر دینے ضروری ہیں۔ مجلس دستور ساز کی اکثریت اور مسلمانوں کے درمیان اگر [illegible] اتفاق نہ ہو پائے تو اس صورت میں ثالث کون مقرر کرے گا؟ اور فرض کیجئے کہ ایک متفقہ ثالث کا تقرر ممکن بھی ہو اور فیصلہ بھی حاصل ہو جائے تو کیا میں معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ کون ہوگا جو یہ دیکھے گا کہ فیصلے پر عملدرآمد ہو رہا ہے یا نہیں اور جن شرائط کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کیا گیا تھا اس کو پورا بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں؟ اور وہ کون ذات ہوگی جو یہ دیکھے گی کہ فیصلوں کا احترام بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ ہم سے تو یہ کہا گیا ہے کہ انگریز اپنی قوت اور اقتدار کے ساتھ مکمل طور پر چلا ہی جائے گا؟ تو پھر وہ کونسی قوت نافذہ ہوگی جو اس فیصلے کو نافذ کرے گی؟

ہم اسی جواب کو پھر دہراتے ہیں کہ "ہندو اکثریت یہ یہ سب کچھ کرے گی اور کیا یہ برطانوی سنگینوں کی مدد سے سب کچھ کیا جائے گا یا گاندھی کے "اہنسا" کے سہارے؟ کیا ہم ان پر مزید اعتماد کر سکتے ہیں؟ علاوہ ازیں خواتین و حضرات! کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس قسم کے سوال اور اس قسم کے معاہدہ عمرانی کا جس پر ہندوستان کے آئندہ دستور کی بنیاد رکھی جائے گی اور جو ۹ کروڑ مسلمانوں پر اثر انداز ہوگا عدالتی ثالثی کے ذریعہ تصفیہ کیا جائے گا؟ لیکن اس کے باوجود کانگریس کی یہی تجویز ہے۔

اس سے قبل کہ میں مسٹر گاندھی نے جو چند روز پہلے کہا ہے اس کی بابت کچھ کہوں، دوسرے کانگریسی لیڈروں کے بعض ارشادات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ ان میں سے ہر شخص کی جدا جدا بولی اور جدا جدا آواز ہے۔ مسٹر راجگوپال آچاریہ سابق وزیر اعلیٰ مدراس فرماتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کی واحد اکسیر اعظم مخلوط رائے دہندگی ہے۔ کانگریس تنظیم کے ایک عظیم و حاذق طبیب کی حیثیت سے یہ ان کا نسخہ ہے (قہقہے) دوسری طرف بابو راجندر پرشاد نے صرف کچھ ہی دن پہلے ارشاد فرمایا ہے کہ "ارے مسلمان اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں؟" میں آپ کو ان کے الفاظ سناتا ہوں۔ اقلیتوں کے سوال پر اظہار خیال فرماتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

"اگر برطانیہ ہمارے حق خود اختیاری کو تسلیم کر لے تو بلاشبہ یہ تمام اختلافات ختم ہو جائیں گے۔"

ہمارے اختلافات کس طرح ختم ہو جائیں گے۔ اس کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں فرمایا ہے اور نہ ہمیں اپنے خیالات سے مستفیض فرمایا۔

"لیکن جب تک برطانیہ موجود ہے اور برسر اقتدار ہے اختلافات مستقلاً جاری اور قائم رہیں گے۔" کانگریس نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ آئندہ دستور صرف

کانگریس کے تنہا ہاتھوں سے تشکیل نہیں پائے گا۔ بلکہ تمام سیاسی جماعتوں اور مذہبی فرقوں کے نمائندے بھی اس کام میں شریک ہوں گے۔ اس ضمن میں کانگریس نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ اس مقصد کے لئے اقلیتیں جداگانہ انتخابات کو ایک شر سمجھتی ہے۔ وہ مجلس دستور ساز اس ملک کے ان تمام لوگوں کی بلا استثناء مذہب و ملت اور سیاسی خیالات و طرفداریوں کی ایک نمائندہ ادارہ ہوگی جو ہندوستان کے آئندہ دستور کا فیصلہ کریں گے۔ نہ کہ اس جماعت یا اس گروہ کا۔ اس سے بہتر اور کیا ضمانت اقلیتوں کو مل سکتے ہیں؟ چنانچہ بابو راجندر پرشاد کے قول کے مطابق جس کے ہم اسمبلی میں شامل ہوں گے، ہمیں اپنے تمام سیاسی تعلقات اور رشتوں کو مذاہب اور دیگر ساری باتوں کو فوراً چھوڑ دینا پڑے گا۔ یہ ہے وہ بات جو بابو راجندر پرشاد نے ابھی حال ہی میں یعنی صرف ۱۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو کہی ہے اور ۲۰ مارچ ۱۹۴۶ء کو مسٹر گاندھی نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

"میرے لئے ہندو، مسلم، پارسی اور ہریجن سب یکساں ہیں۔ میں تنگ باتوں والا آدمی نہیں ہو سکتا"۔

لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تنگ باتوں والے آدمی ہیں جب میں قائداعظم کی بات کرتا ہوں تو ناداں غیر سنجیدگیا تنگ باتیں کرنے والا آدمی نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے بھائی ہیں۔ واحد اختلاف یہ ہے کہ بھائی گاندھی کو تین ووٹ حاصل ہیں اور میرے پاس صرف ایک ووٹ ہے (قہقہہ)

"میں فی الحقیقت بہت خوش ہوں گا اگر وہ مجھے اپنی جیب میں رکھ سکیں" میں نہیں جانتا کہ اس نازیبا پیشکش کے بارے میں میں کیا کہوں۔

"ایک وقت تھا جب میں یہ دعوی کر سکتا تھا کہ ایسا کوئی ایک مسلمان بھی نہیں ہے جس کا اعتماد مجھے حاصل نہ ہو لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج یہ بات نہیں کہہ سکتا۔" انہوں نے مسلمانوں کا اعتماد کھو دیا؟ کیا میں یہ بات کر سکتا ہوں خواتین و حضرات؟

"میں وہ ساری باتیں نہیں پڑھتا جو اردو اخبارات میں شائع ہوتی ہیں لیکن غالباً مجھے کوئی گالیاں ان میں پڑتی ہیں مجھے اس کا افسوس نہیں ہے۔ میں اب بھی اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ ہندو مسلم تصفیہ کے بغیر سوراج حاصل نہیں ہو سکتا۔" مسٹر گاندھی گزشتہ بیس سال سے یہی کہتے چلے آ رہے ہیں۔

"آپ غالباً یہ سن کر مجھ سے پوچھیں گے کہ آخر میں مفاہمت اور لڑائی کی بات کیوں کرتا ہوں؟ اس لئے کہ یہ ایک مجلس دستور ساز کے لئے لڑائی ہوگی۔ یہ وہ۔ انگریز سے لڑ رہے ہیں لیکن کیا میں مسٹر گاندھی اور کانگریس کو یہ نکتہ بتاؤں کہ تم ایک ایسی مجلس دستور ساز کے لئے لڑ رہے ہو جس کے بارے میں مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے جس کے لئے مسلمان کہتے ہیں کہ اس کے معنی تین اور ایک کے ہوتے ہیں۔ جس کے بارے میں مسلمان کہتے ہیں کہ سروں کی گنتی کا طریقہ اختیار ہو جائے گا تو وہ کبھی بھی اس قابل نہ ہو پائیں گے کہ کسی ایسے تصفیہ پر پہنچ پائیں جو فی الواقعی اور صدق دل سے تصفیہ کہلایا جائے اور جو ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم دوستوں اور حلیفوں کی طرح کام کر سکیں۔ چنانچہ مجلس دستور ساز کا یہ خیال اور تصور، دیگر اور اعتراضات سے قطع نظر محض اس لئے بھی قابل اعتراض ہے لیکن وہ مجلس دستور ساز کے لئے لڑ رہے ہیں مسلمانوں سے تو لڑ ہی نہیں رہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں۔ میں ایسا کرتا ہوں اس لئے کہ یہ ایک مجلس دستور ساز کے لئے لڑائی ہے۔ اگر وہ مسلمان جو مجلس دستور ساز میں آتے ہیں ذرا ان الفاظ پر غور فرمائیے کہ جو "مسلم ووٹوں کے ذریعہ مجلس دستور ساز میں آتے ہیں۔ یہ وہ پہلے تو ہمارے اسمبلی میں آنے پر زور دے رہے ہیں بلکہ مجبور کر رہے ہیں۔ پھر کہتے ہیں۔

"یہ اعلان کریں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں ہے تو صرف اس وقت ہی میں ناامید ہو سکوں گا لیکن اس کے باوجود بھی میں ان سے متفق ہو جاؤں گا۔ اس لئے کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور میں نے بھی کچھ اس مقدس کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔" (قہقہہ)

تو گویا مسلمانوں کے خیالات معلوم کرنے کے لئے وہ مجلس دستور ساز کے خواہاں ہیں اور اگر مسلمان متفق نہیں ہوتے ہیں تو بس پھر توقع چھوڑ بیٹھیں گے لیکن اس کے باوجود بھی وہ ہم سے اتفاق کریں گے۔ (قہقہہ)

خواتین و حضرات! میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا کسی حقیقی خواہش اور صادق تمنا کے اظہار کا یہی طریقہ ہے؟ اگر کوئی واقعی یہی خواہش موجود ہے تو مسلمانوں سے تصفیہ کرنے کا یہی ڈھنگ ہے۔ (نہیں، نہیں کی آوازیں) مسٹر گاندھی کیوں اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔ میں نے ایک سے زائد مرتبہ اس بات کو مانتے کہا ہے اور آج اس نشست میں ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ آخر مسٹر گاندھی اب ایمانداری کے ساتھ کیوں اس بات کو تسلیم نہیں کر لیتے کہ کانگریس ایک ہندوؤں کی جماعت ہے اور یہ کہ کانگریس سوائے ہندوؤں کے اور خالص ہندوؤں کی ایک جماعت کے اور یہ کہ کانگریس سوائے ہندوؤں کے اور خالص ہندوؤں کی ایک جماعت کے کسی اور کی نمائندگی نہیں کرتی؟ آخر مسٹر گاندھی یہ کہتے ہوئے کیوں فخر محسوس نہیں کرتے کہ "میں ایک ہندو ہوں۔ کانگریس کو خالصتاً ہندوؤں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ میں یہ کہتے ہوئے مطلق شرم محسوس نہیں کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں (تالیاں اور ہیئر ہیئر کی آوازیں)

میرا یہ کہنا حقیقت پر مبنی ہے میں اس کی قطعی توقع کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اب تک تو ایک اندھا آنکھوں سے معذور آدمی بھی اس بات کا قائل ہو چکا ہوگا کہ مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی خالصتاً اور ٹھوس پشت پناہی حاصل ہے۔ (ہیئر ہیئر) تو پھر یہ سارا دکھاوا یہ ٹی کی آڑ۔ یہ فریب نظر کیا ہے اور کیوں ہے؟ یہ سب ہیر پھیر۔ یہ مسلمانوں کو نیچا دکھانے کے لئے یہ انگریزوں کو ایذارسانی کے جو طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں۔ یہ کیوں ہیں؟ عدم تعاون کا اعلان کیوں؟ یہ ستیہ گرہ کی دھمکی کس لئے؟ اور یہ معلوم کرنے کیلئے کہ آیا مسلمان متفق ہیں یا نہیں۔ ایک مجلس دستور ساز کے لئے لڑائی اور جدوجہد کیوں؟ (ہیئر ہیئر)۔ ایک ہندو لیڈر کی حیثیت سے بڑے فخر سے اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے وہ کیوں نہیں آتے اور مجھ سے، جسے مسلمانوں کی نمائندگی کا فخر حاصل ہے آکر کیوں نہیں ملتے (ہیئر ہیئر کی آوازیں اور تالیاں) جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے میں بس یہی کہنا چاہتا تھا۔

جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے۔ ہماری گفت و شنید جیسا کہ آپ کو علم ہے ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے بے شمار نکات پر ان سے توضیحات اور استفہامات کئے ہیں۔ ایک نکتہ پر ہمیں کچھ آگے بڑھنے کا موقع ملا ہے اور وہ یہ ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے آئندہ دستور کے سارے کے سارے معاملے کا حکومت ہند کے قانون ۱۹۳۵ء سے قطع نظر نئے سرے سے جائزہ لیا جائے۔ اس مطالبہ کے جواب میں وائسرائے نے ملک معظم کی حکومت کی جانب سے جو کیا ہے بہتر ہے کہ میں ان الفاظ کو یہاں دہرا دوں۔ یہ وہ جواب ہے جو ہمیں ۲۳ دسمبر کو بھیجا گیا تھا۔

آپ کے پہلے استفسار کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ ۲۳ اکتوبر کو ملک معظم کی منظوری سے جو اعلان میں نے جاری کیا تھا اس میں قانون ۱۹۳۵ء کے کسی حصہ یا پالیسی یا ان منصوبوں کو خارج از بحث نہیں رکھا گیا ہے جس پر اس سارے اعلان کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ خارج از بحث کے الفاظ پر غور فرمائیے۔ (ہیئر ہیئر)

میں یہ کہتے ہوئے مطلق شرم محسوس نہیں کرتا کہ میں ایک مُسلمان ہوں

جہاں تک دیگر امور کا تعلق ہے ہم ابھی تک گفت و شنید کر رہے ہیں اور اس کے اہم نکات یہ ہیں:

" ملک معظم کی حکومت کی جانب سے ہندوستان کے آئندہ دستور سے متعلق کوئی اعلان بغیر ہماری رضامندی اور اجازت کے نہیں کیا جائے گا (تالیاں اور ہیئر ہیئر کی آوازیں) اور یہ کہ ہم سے بالا ہی بالا اور ہمارے علم میں لائے بغیر کسی جماعت سے کسی سوال پر کوئی تصفیہ نہیں کیا جائے گا (ہیئر ہیئر) اس کے لئے ہماری رضامندی اور اجازت لازمی ہوگی تو خواتین و حضرات حکومت برطانیہ اپنی دانائی اور بینائی میں خواہ ہمیں یہ تیقنات دینے پر رضامندی ظاہر کرے یا نہ کرے لیکن مجھے اس پر بھروسہ ہے کہ وہ پھر بھی اس کا احساس کرے گی کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ۸ کروڑ انسانوں کی تقدیر اور ان کا مستقبل کسی اور کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑ سکتے تو یہ ایک معقول اور جائز مطالبہ ہے۔ ہم اور صرف ہم ہی واحد اور آخری ثالث اور حکم ہونا چاہتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک جائز مطالبہ ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ برطانوی حکومت مسلمانوں پر ایک ایسا دستور مسلط کرے جس کو وہ قبول نہیں کرتے اور جس پر وہ راضی نہیں ہیں لہٰذا حکومت برطانیہ کو یہی نیک مشورہ دیا جائے گا کہ وہ یہ تیقن دے اور مسلمانوں کو اس معاملہ میں مکمل اعتماد دے کر ان کی خیرسگالی اور دوستی کے جذبات کو اپنالے لیکن وہ ایسا کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں یہی دیکھنا ہے۔ ویسے جیسا کہ میں پہلے آپ سے کہہ چکا ہوں۔ ہمیں اپنی ہی قوت پر بھروسہ کرنا ہے اور اسی پر انحصار کرنا ہے اور میں آج اس شہ نشین سے یہ بات صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہماری رضامندی کے بغیر، اگر ہماری اجازت و تائید کے بغیر کوئی اعلان جاری کیا گیا اور کوئی عبوری تصفیہ کیا گیا تو مسلمانانِ ہند اس کا مقابلہ کریں گے اور مزاحمت کریں گے (ہیئر ہیئر کی آوازیں اور تالیاں) اور اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کی جائے گی

اب اس کے بعد دوسرا نکتہ فلسطین کے معاملے سے متعلق ہے۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ عربوں کے جائز قومی مطالبات کو پورا کرنے کے لئے ممکنہ اور مخلصانہ کوششیں کی جا رہی ہیں بہت اچھا مگر ہم مخلصانہ کوششوں، سنجیدہ کوششوں اور اعلیٰ درجہ کی کوششوں سے مطمئن نہیں کئے جا سکتے (تنقیہ) ہم چاہتے ہیں کہ برطانوی حکومت نئی داتی اور حقیقتاً فلسطین میں عربوں کے مطالبات پورا کرے (ہیئر ہیئر)

اس کے بعد دوسری اہم بات افواج کو ملک سے باہر بھیجنے سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن بہر نوع ہم اپنی پوزیشن صاف کر چکے ہیں کہ ہم نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ ہمارے ملک کے دفاع کے لئے ہندوستانی پوری طرح اور کامل طمانیت کے ساتھ استعمال نہ کی جائیں۔ درحقیقت یہ سب کچھ الفاظ کا گورکھ دھندا ہے جو غلط فہمی یا خدشہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ہم برطانوی حکومت سے جس بات کے خواہشمند تھے وہ صرف اس امر کا تیقن تھا کہ ہندوستانی فوجیں کسی مسلم ملک یا مسلم طاقت کے خلاف لڑنے کے لئے روانہ نہیں کی جائیں گی۔

(ہیئر ہیئر)

ہمیں توقع رکھنی چاہیئے کہ برطانوی حکومت ہمیں اپنی پوزیشن کو مزید صاف کرنے کے قابل اب سمجھے گی اور اس غلط فہمی کو اب بھی دور کرے گی۔ تو برطانوی حکومت کا جہاں تک تعلق ہے معاملات کی نوعیت یہ ہے مجلس عاملہ کا جو آخری اجلاس منعقد ہوا تھا اس میں وائسرائے سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے مکتوب مورخہ ۲۳ دسمبر پر اس روشنی میں جو مجلس عاملہ کی قرارداد مورخہ ۳ فروری کی انہام و تفہیم کے سلسلے میں ڈالی گئی ہے دوبارہ غور کریں اور ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ اس معاملے پر وہ بڑی دلچسپی اور تندہی سے غور کر رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! جنگ کے بعد اور ۳ فروری تک جو مراحل ہم نے طے کئے اور جس مقام تک ہم پہنچ پائے ہیں اس کی تفصیل یہ تھی،

اب جہاں تک ہماری اندرونی پوزیشن کا تعلق ہے۔ اس کی بابت یہ کہنا ہے کہ ہم بھی اس کا خاطر خواہ جائزہ لے رہے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ایسی بے شمار تجاویز اور اسکیمیں ہیں جو بہت زیادہ معلومات رکھنے والے فاضل ماہرین دستور اور ان دیگر حضرات نے روانہ کی ہیں جو ہندوستان کے آئندہ دستور کے مسئلہ میں دلچسپی لیتے ہیں۔ چنانچہ اب تک جتنی اسکیمیں ہمیں موصول ہوئی ہیں اس کا جائزہ لینے کے لئے اور ان کی تنقیح کے لئے ہم نے ایک ذیلی کمیٹی مقرر کی ہے لیکن ایک بات جو بالکل واضح ہے: یہ ہے کہ یہ بات ہمیشہ سے غلط طور پر تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور فی الواقعی ہم اس بات کے اتنے عرصے عادی ہو چکے ہیں کہ ان خیالوں کو ذہن سے نکالنا بہت مشکل ہے۔ مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں مسلمان ہر تعریف کی رو سے ایک قوم ہیں۔ انگریز اور بالخصوص کانگریس اس بنیاد پر بات کرتے ہیں کہ "اچھا تو آپ لوگ تو بہر حال ایک اقلیت ہیں۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ اور بقول بابو راجندر پرشاد اقلیتیں اب اور کیا چاہتی ہیں؟ لیکن یقیناً مسلمان ایک اقلیت نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اور تو اور ہندوستان کے انگریزی نقشہ کے مطابق بھی ہم اس ملک کے ایک بہت بڑے حصہ پر قابض ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مثلاً بنگال، پنجاب، شمال مغربی صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس مسئلہ کا سب سے بہتر حل کیا ہے؟ ہم اس پر غور کرتے رہے ہیں اور جیسا کہ میں آپ سے عرض کر ہی چکا ہوں مختلف تجاویز پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں آچکا ہے لیکن دستور کی خواہ کوئی سی بھی حتمی اور قطعی صورت ہو میں اپنے خیالات اس کے سامنے پیش کروں گا اور میں ابھی آپ کے سامنے ایک خط پڑھ کر سناؤں گا جو لالہ لاجپت رائے نے مسٹر سی آر داس کے نام لکھا تھا اور جو میرے ان خیالات کی توثیق و تائید میں ہے جنہیں میں آپ کے سامنے پیش کرنے والا ہوں۔ یہ خط میرا خیال ہے کہ کوئی ۱۲ اور ۱۵ سال قبل لکھا گیا تھا جس کو ایک کتاب میں جو ابھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے ایک صاحب اندرا پرکاش نے نقل کیا ہے اور اس طرح یہ خط منظرِ عام پر آیا ہے۔ یہ ہے وہ بات جو لالہ لاجپت رائے نے جو ایک انتہائی زیرک سیاستدان اور کٹر قسم کے مہا سبھائی تھے کہی تھی۔ لیکن اس سے قبل کہ میں ان کا خط پڑھ کر سناؤں اس بات کو صاف کر دوں کہ اگر آپ ہندو ہیں تو آپ ایک ہندو ہونے سے کبھی باز نہیں آسکتے (قہقہہ) لفظ "قوم پرست" اب سیاست میں شعبدہ بازوں کا ایک کھیل ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ:

" ایک اور اہم نکتہ ہے جو ایک عرصے سے مجھے پریشان کئے ہوئے ہے اور جس پر میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ بھی بڑی سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ غور فرمائیں اور وہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا سوال۔ میں نے گزشتہ چھ ماہ کے عرصہ میں بیشتر وقت مسلم تاریخ اور مسلم شریعت کے مطالعہ میں صرف کیا اور میں اب سوچنے پر مائل ہو گیا ہوں کہ یہ نہ تو ممکن ہے، نہ قابلِ عمل، عدم تعاون کی تحریک میں مسلم

قائدین کے خلوص کو فرض کرتے ہوئے بلکہ تسلیم کرتے ہوئے بھی میں نہیں سمجھتا ہوں کہ ان کا مذہب اس قسم کی ہر چیز کی ایک مؤثر ڈھال ہے۔

آپ کو وہ گفتگو یاد ہے جو میرے اور حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر کچلو کے درمیان ہوئی تھی اور جس کی اطلاع میں نے آپ کو دی تھی، ہمارے ہندوستان میں حکیم اجمل خان سے بڑا مسلمان نہیں ہے۔ لیکن کیا کوئی مسلم قائد قرآن کو نظرانداز کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو پھر مجھے یہی سمجھنا پڑے گا کہ اسلامی شریعت کا جو میں نے مطالعہ کیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔"

میرا خیال ہے ان کا مطالعہ فی الواقعی سارا کا سارا غلط ہے۔ (قہقہہ) اور یقین جانیئے اگر واقعی ایسا ہے تو مجھے کسی اور بات سے اتنا اطمینان نصیب نہ ہوگا جتنا کہ اس بات سے۔ لیکن اگر یہ درست ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ گو ہم انگریز کے خلاف متحد ہو سکتے ہیں لیکن ہم ہندوستان پر برطانوی طرز پر حکومت کرنے کے لئے آپس میں متحد نہیں ہو سکتے۔"

خواتین و حضرات! جب لالہ لاجپت رائے نے یہ کہا کہ ہم جمہوری انداز میں اس ملک پر حکومت نہیں کر سکتے تو یہ بجا اور درست تھا لیکن جب کوئی ۱۸ ماہ قبل میں نے انتہائی بیباکی سے اسی حقیقت اور سچائی کو دہرایا تھا تو مجھ پر چاروں طرف سے تنقید کی یلغار اور بوچھاڑ ہوئی لیکن لالہ لاجپت رائے نے ۱۵ سال قبل یہ کہا تھا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر اس کا علاج کیا ہے؟ مداوا کیا ہے؟ کانگریس کے خیال کے مطابق اس کا علاج اکثریتی حکمرانی کے تحت ہمیں اقلیت میں رکھنا ہے۔

لالہ لاجپت رائے مزید فرماتے ہیں۔

تو پھر اس کا علاج کیا ہے؟

میں ۷ کروڑ مسلمانوں سے خائف نہیں ہوں لیکن میرے خیال میں ۷ کروڑ ہندوستان میں اور افغانستان، وسط ایشیا، عرب، عراق، ایران اور ترکی کے مسلح عسکری جتھے ناقابل مزاحمت بن جائیں گے۔ (قہقہہ)

میں ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت یا مرغوبیت میں بڑے خلوص کے ساتھ اور دیانت داری سے یقین رکھتا ہوں۔ میں مسلم قائدین پر بھروسہ اور اعتماد کرنے کے لئے بھی بالکل آمادہ ہوں لیکن پھر قرآنی احکامات اور احادیث کا کیا ہوگا؟ قائدین انہیں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ تو پھر کیا ہم ختم ہو گئے! تباہ ہو گئے! مجھے توقع ہے کہ آپ کی ذہانت و فطانت اس دشواری سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی نہ کوئی سبیل نکال ہی لے گی۔

اب خواتین و حضرات! یہ محض ایک خط تھا جو ۱۵ سال قبل ایک ہندو قائد نے دوسرے ہندو قائد کو لکھا تھا اب میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر اپنے خیالات کو آپ کے سامنے پیش کروں جو بحالات موجودہ تمام باتوں کو ملحوظ رکھنے کے بعد اور کامل غور و خوض کے بعد میرے ذہن میں آئے ہیں۔ برطانوی حکومت اور پارلیمنٹ اور اس سے بھی بڑھ کر انگریز قوم اپنے ہی ملک میں نشوونما اور ارتقاء کو بنیاد بنا کر جس سے برطانوی دستور کی تشکیل عمل میں آئی اور جو آج کل کے ایوانوں اور کابینہ کے نظام کے ذریعہ کارپرداز ہے۔ ہندوستان کے مستقبل کو منوانے کے لئے مستحکم اور طے شدہ نظریات کے سہارے گزشتہ کئی برس سے جدوجہد کر رہی ہے اور ایک سیاسی مستقبل کو پروان چڑھانے میں مصروف ہے ان کا ایسا جماعتی حکومت کا تصور جو سیاسی سطح پر کارگزار ہو ان کے لئے ایک مثالی تصور بن چکا ہے اور وہ اسے ہر ملک کے لئے بہترین اور مثالی طرز حکومت سمجھتے ہیں اور یکطرفہ اور بڑے جاندار پروپیگنڈے نے جو فطرتاً اہل برطانیہ کو ترغیب دیتا ہے۔ انہیں ایک بڑی فاش غلطی کا ارتکاب کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے اور وہ غلطی حکومت ہند کے ۳۵ء کے ایکٹ کی شکل میں ایک دستور کی صورت اختیار کر کے ظاہر ہوئی ہم نے یہ بھی دیکھا کہ برطانیہ عظمیٰ کے ایک عظیم اور سب سے اعلیٰ مدبر نے جو ان نظریات میں ڈوبے ہوئے ہیں اپنے بیانات میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس پر زور دیا ہے۔ اور توقع ظاہر کی ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا ناموافق اور غیر مسلم عناصر میں اعتدال پیدا ہوتا جائے گا اور ناموافق فضا ختم ہو جائے گی۔

ایک مشہور اخبار "دی لندن ٹائمز" نے حکومت ہند کے قانون ۱۹۳۵ء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ بلاشبہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف اپنے صحیح اور جامع مفہوم میں "مذہبی" ہی نہیں ہے بلکہ قانون و ضوابط اور تمدن و ثقافت کا بھی ہے جن کے بارے میں فی الواقع یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دو قطعی ایک دوسرے سے مختلف اور جدا تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں بہر طور وقت کے ساتھ ساتھ یہ توہمات بھی ختم ہوتے چلے جائیں گے اور ہندوستان ایک واحد قوم کی شکل میں ڈھل جائے گا۔ لہٰذا لندن ٹائمز کے قول کے مطابق واحد دشواریاں توہمات کی ہیں۔ یہ بنیادی اور جڑوں تک پہنچے ہوئے روحانی معاشی ثقافتی سماجی اور سیاسی اختلافات کی تلخ حقیقت کو محض توہمات کہہ کر یا خام خیالی قرار دینا ایک سنگین قسم کی اہانت ہے۔ ہزاروں سال کے قریبی تعلق کے باوجود وہ قومیں جو آج بھی پہلے کی طرح ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہیں کسی وقت بھی ایک قوم میں مدغم ہو کر محض ایک جمہوری دستور کے ذریعے اور برطانوی پارلیمانی شقوں کے مصنوعی اور غیر فطری طریقوں سے جبراً ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر کے ایک واحد قوم میں تبدیل نہیں ہو سکتیں جو چیز ہندوستان کی واحدانی طرز حکومت ڈیڑھ سو سال میں حاصل کرنے کی کوشش میں ناکام رہی وہ ایک مرکزی وفاقی حکومت کو مسلط کرنے سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی یہ بات ناقابل تصور ہے کہ ایک حکومت کے اختیارات اور استحقاق قانونی جو اس طرح تشکیل دی گئی تو کبھی بھی سارے برصغیر میں مختلف قوموں سے برضا و رغبت منوائے جائیں گے یا ان سے وفاداری کی کوئی توقع رکھی جا سکے گی بجز اس کے کہ ان قوانین و ساتیر حکومت کے پیچھے کوئی مسلح طاقت کارفرما ہو اور بجز سب کچھ منوائے۔

ہندوستان میں مسئلہ کی نوعیت فرقہ وارانہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک "بین الاقوامی مسئلہ" ہے اور اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا ضروری ہے جب تک یہ بنیادی اور اساسی صداقت، صداقت تسلیم نہیں کی جاتی کوئی دستور جو تیار کیا جائے تباہی اور بربادی کا موجب ہوگا۔ اور وہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے مضرت رساں اور تباہ کن ثابت ہوگا بلکہ اہل برطانیہ اور ہندوؤں کے لئے بھی اگر برطانوی حکومت فی الحقیقت اس برصغیر کے عوام کے لئے امن و آشتی، مسرت و انبساط فراہم کرنے میں مخلص اور دیانت دار ہے تو ہم سب کے لئے واحد چارہ کار یہی ہے کہ ہندوستان کو خود مختار اور آزاد ریاستوں میں منقسم کر کے بڑی اور اہم قوموں کو علیحدہ علیحدہ اوطان بنانے کی اجازت دے دی جائے کوئی وجہ ایسی نہیں ہے کہ یہ ریاستیں کسی کی حریف اور دشمن ہوں اس کے برعکس رقابت اور ایک کی دوسرے پر ملکی حکومت میں برتری اور فوقیت حاصل کرنے اور سماجی غلبہ کی فطری خواہش اور کوشش سرے سے معدوم ہو جائے گی یہ فطری خیر سگالی اور آپس میں بین الاقوامی معاہدات کے ذریعہ خوش معاملگی کا موجب ہوگا۔ اور وہ اپنے پڑوسیوں سے مکمل طور پر شیر و شکر ہو کر متحد اور دوست بن کر رہ سکیں گے۔ یہ مزید اس بات کے لئے راہ ہموار کر دے گا کہ وہ بہ آسانی اقلیتوں کے معاملے میں باہمی انتظام اور ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کے مابین افہام و تفہیم کے ذریعہ ایک انتہائی دوستانہ تصفیہ کر لیں۔ جو اس سے کہیں زیادہ اطمینان بخش طریقے پر اور مؤثر انداز میں مسلمانوں اور

قرارداد پاکستان نے برصغیر کے مسلمانوں کی قسمت کو بدل کر رکھ دیا

دوسری مختلف اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرے گا۔ یہ سمجھنا واقعی بہت ہی دشوار ہے کہ آخر ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندومت کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہیں اور محض لفظی اعتبار سے صرف مذاہب نہیں ہیں بلکہ فی الحقیقت نمایاں اور ممتاز سماجی نظام ہیں اور یہ کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک قوم کی شکل اختیار کر سکتے ہیں محض ایک خواب ہے یہ ہندوستانی قومی وحدت کا غلط تصور اپنے حدود سے متجاوز ہو چکا ہے اور ہمارے بیشتر مصائب اور ہماری اکثر پریشانیوں کا سبب ہے اگر ہم بروقت اپنے ان نظریات و تصورات پر نظر نہیں کریں گے تو یہ ہندوستان کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جائیں گے۔ ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی فلسفوں سماجی ضوابط اور ادب و فنون سے متعلق ہیں وہ نہ تو آپس میں شادی بیاہ کر سکتے ہیں نہ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ دو مختلف و متضاد ایسی تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصادم اور قطعی مختلف تصورات اور نظریات پر مبنی ہیں۔ زندگی کا اور زندگی کے متعلق ان کا مطمح نظر قطعی مختلف ہے یہ بالکل واضح اور صاف ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے بالکل مختلف چشموں سے روح محرکہ اور بالیدگی حاصل کرتے ہیں ان کی ایک دوسرے سے قطعی مختلف رزمیہ داستانیں ہیں ان کے ہیرو اور ان کے المیے بھی ایک دوسرے سے قطعی بیگانے اور مختلف ہیں۔ اکثر و بیشتر معاملات میں ایک کا ہیرو دوسرے کا دشمن ہے اور اسی طرح فتوحات اور شکستوں کا حال ہے کہ ایک کی فتح دوسرے کی شکست اور دوسرے کی فتح پہلے کی شکست سمجھی جاتی ہے ایک واحد ریاست کے تحت ایسی دو قوموں کو نتھی کر دینا اور وہ اس طرح کہ ایک کو تو عددی اقلیت کے طور پہ اور دوسری کو اکثریت کی حیثیت سے ایک بڑھتے ہوئے اضطراب اور پھیلتی ہوئی بے چینی و انتشار کی جانب لے جاتا ہے اور آخرکار اس تمام تانے بانے کو توڑ دیتا ہے جو ایسی کسی ریاست کی حکومت کی تشکیل کیلئے تیار کیا جائے۔

تاریخ نے ہمارے سامنے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں مثلاً برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کی یونین کی مثال چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کی مثال تاریخ نے ہمارے سامنے کئی ایک ایسے جغرافیائی خطے بھی پیش کئے ہیں۔ جو برصغیر ہند سے کہیں زیادہ مختصر اور چھوٹے اور جو ایک ملک کہلائے جاتے ہیں لیکن جو اتنی ریاستوں میں منقسم کئے گئے ہیں جتنی کہ قومیں اس میں آباد تھیں جزیرہ نمائے بلقان سات یا آٹھ آزاد و مقتدر ریاستوں پر مشتمل ہے اسی طرح پرتگالی اور ہسپانوی جزیرہ نمائے آئبیریا میں منقسم شدہ نظر آتے ہیں ہرگاہ کہ ہندوستانی وحدت اور ایک قوم کے ادعا کے تحت جس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے ایک مرکزی حکومت کے قیام کی یہاں مسلسل کوشش جاری ہے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ گذشتہ بارہ سو سالہ کی تاریخ اتحاد و یگانگت کے حصول میں بری طرح ناکام رہی ہے اور ایک زمانہ تک یہ تماشہ دیکھ چکی ہے کہ ہندوستان سدا مسلم ہند اور ہندو ہندوستان میں منقسم رہا ہے موجودہ مصنوعی وحدت ہند کوئی ایسی زیادہ قدیم نہیں ہے بلکہ اس کا آغاز صرف برطانوی فتوحات کے بعد ہوا ہے اور یہ برقرار محض برطانوی سنگینوں کے ذریعہ ہے لیکن برطانوی دور حکومت کا اختتام جس کا ملک معظم کی حکومت کے اعلان شاہی میں اشارۃً ذکر موجود ہے ساری شکست و ریخت اور کامل انہدام کا پیش خیمہ ہو گا۔ اور وہ بھی ایسی تباہی و بربادی کے ساتھ جو مسلمانوں کے تحت گذشتہ ایک ہزار سال کے دوران کبھی نہیں ہوئی۔ یقیناً یہ وہ ترکہ نہیں ہے جو برطانیہ اپنے ڈیڑھ سو سالہ دور حکومت کے بعد ہندوستان کو عطا کرے گا اور نہ ہندوستان کے مسلمان اور ہندو ایسی آشوبیت کا خطرہ مول لیں گے۔

مسلم ہندوستان ایسا کوئی دستور قبول نہیں کر سکتا جو ایک ہندو اکثریتی حکومت پر لازماً منتج ہو ایک جمہوری نظام کے تحت جو اقلیتوں پر جبراً مسلط کر دیا جائے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکجا کرنے کے معنی صرف ہندو راج کے ہیں۔ جس قسم کی جمہوریت پہ کانگریس کی اعلیٰ کمان فریفتہ ہے اس کا مطلب اس چیز کی مکمل تباہی و بربادی ہو گا۔ جو اسلام میں بہت ہی زیادہ قابل قدر اور قیمتی ہے گذشتہ ۲½ سال کے دوران ہمیں صوبائی دساتیر کی کارکردگی کا خاصہ تجربہ ہو چکا ہے اور اس قسم کی حکومت کا پھر سے اعادہ یقیناً خانہ جنگی کی جانب بنائی کرے گا اور ایسی نیم عسکری تنظیم کے وجود کا باعث ہو گا جیسی تنظیم کے لئے مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں کو مشورہ دیا ہے انہوں نے کہا کہ ہندوؤں کو اپنی مدافعت خود کرنی چاہیے تشدد کے ذریعہ اینٹ کا جواب پتھر سے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو انہیں ترک وطن کر لینا چاہیے۔

مسلمان اقلیت نہیں ہیں جس طرح کہ عام طور پہ کہا اور سمجھا جاتا ہے اس کے لئے فقط ذرا چاروں طرف نگاہ دوڑانے کی ضرورت ہے آج بھی ہندوستان کے برطانوی نقشہ کے مطابق گیارہ صوبوں میں سے چار صوبے جہاں مسلمانوں کا کم و بیش غلبہ ہے ہندو کانگریس کی اعلیٰ کمان کے عدم تعاون اور شہری نافرمانی کے فیصلے کے باوجود حکومت چلا رہے ہیں اور کار پرداز ہیں۔ مسلمان "قوم" کی ہر تعریف کی رو سے ایک قوم ہیں اور انہیں ان کے اوطان ملنے چاہئیں انہیں ان کا علاقہ اور ان کی ریاست بہر حال ملنی چاہیے ہم صلح و امن کے ساتھ دوستی اور خیر سگالی کے ساتھ ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے پڑوسیوں سے مل جل کر رہنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہماری قوم کے لوگ روحانی ثقافتی، معاشی سماجی اور سیاسی زندگی ایک ایسے انداز میں جو ہمارے خیال میں بہت اعلیٰ ہو اور ہمارے مثالی تصورات اور نصب العین اور ہمارے عوام کی فکر کے مطابق ہو پوری طرح اور کامل طور پہ پروان چڑھائیں دیانت کا تقاضہ ہے اور ہماری قوم کے لاکھوں افراد کا انتہائی اہم مفاد ہم پر ایک مقدس فرض یہ عائد کرتا ہے کہ ایک ایسا باعزت اور پر امن حل تلاش کیا جائے۔ جو سب کے لئے منصفانہ، مفید و موزوں ہو۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے مقصد اور ہماری منزل مقصود سے دھمکیوں اور بھبکیوں سے نہ مرعوب کیا جا سکتا ہے، نہ منحرف، ہمیں ساری مشکلات و نتائج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ اور اس منزل کے حصول کے لئے جو ہمارا مقصود اصلی ہے۔ ہر قسم کی قربانیاں جو درکار ہوں ہمیں دینا چاہیے۔

خواتین و حضرات! یہ ہے وہ مرحلہ جو ہمارے سامنے ہے میرا خیال ہے کہ میں نے جو وقت اپنی تقریر کے لئے مقرر کیا تھا اس سے میں تجاوز کر گیا ہوں

کئی ایک باتیں ایسی ہیں جو مجھے آپ سے کہنے کی خواہش تھی لیکن میں ایک چھوٹا سا پمفلٹ شائع کر چکا ہوں جس میں بیشتر باتیں وہ ہیں جو آپ سے کہہ چکا ہوں میرا خیال ہے کہ آپ بہت آسانی سے وہ اشاعت خصوصی لیگ کے دفتر سے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں حاصل کر سکتے ہیں اس سے غالباً آپ کو ہمارے اغراض و مقاصد کا ایک واضح تصور ہو سکے گا۔ اس میں مسلم لیگ کی بہت ہی اہم قراردادیں اور مختلف بیانات درج ہیں بہر نوع میں آپ کے سامنے اس ہم کو بیان کر چکا ہوں جو در پیش ہے اور جسے ہمیں کرنا ہے کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ یہ ہم کس قدر بڑی اور حوصلہ طلب ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ محض دلائل اور استدلات سے آزادی اور خود مختاری حاصل نہیں کر سکتے میں دانشوروں سے اپیل کروں گا آزادی کی تمام تحریکات کے نقیب ساری دنیا کے ممالک میں دانشور ہی ہوتے ہیں۔ مسلمان دانشوروں نے کیا سوچا ہے! کیا کرنے کی تجویز کی ہے! میں آپ سے کہہ دوں کہ جب تک آپ اس کو اپنے خون میں نہیں ملا لیں گے اور جب تک آپ آستین چڑھا کر تمام وہ قربانیاں جو آپ دے سکتے ہیں دینے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور بے غرضانہ خلوص نیت کے ساتھ اور دیانتداری سے اپنی قوم کے لئے کام کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے آپ اپنے مقصد کو کبھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

دوستو! اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ قطعی اور حتمی فیصلہ کر لیں اور اپنی قوم کو منظم کرنے پر اپنی تنظیم کو قوت بخشئے اور سارے ہندوستان میں مسلمانوں کو متحد و مستحکم کرنے کی ترکیبیں اور تدبیریں سوچیں میرا خیال ہے کہ عوام پوری طرح سے بیدار ہیں وہ صرف آپ کی رہنمائی اور قیادت چاہتے ہیں اسلام کے خادموں کی حیثیت سے آگے بڑھیے قوم کو معاشی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیجئے مجھے یقین ہے کہ آپ ایک ایسی طاقت بن جائیں گے جسے ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا۔"

(تالیاں)

دوسرا دن

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء

جمعہ کی شب سبجیکٹ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا تاکہ تاریخی قرارداد لاہور پر تبادلہ خیال کیا جائے اور اس کا مسودہ تیار ہو جس کو اجلاس عام میں برائے غور پیش کیا جانے والا تھا کمیٹی کی نشست ہفتہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو علی الصبح اول وقت ہوئی اور پھر اسی دن دوبارہ ساڑھے دس بجے سے اس کی نشست ہوئی اور دن کے دو بجے تک جاری رہی۔ سبجیکٹ کمیٹی کے پنڈال کے سامنے بعد دوپہر حکومت پنجاب کی تازہ پالیسی کے خلاف ایک مظاہرہ کیا گیا مظاہرین نے سکندر مردہ باد کے نعرے لگائے۔ مسلم نیشنل گارڈز اور رضا کاروں نے پنڈال کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد اجلاس ختم ہوا اور قائد اعظمؒ نے مجمع سے خطاب کیا انہوں نے ان لوگوں کو پرامن رہنے کی تلقین کی اور انہیں یقین دلایا کہ یہ معاملہ لیگ کے زیر غور ہے۔ "لیگ زندہ باد" اور قائد اعظمؒ "زندہ باد" کے نعروں سے ساری فضاء گونج اٹھی اور مجمع خاموشی سے منتشر ہوگیا۔

لیگ کا دوسرا اجلاس عام ۳ بجے سہ پہر کو قائد اعظمؒ کی صدارت میں شروع ہوا۔ پنڈال لوگوں سے بھرا ہوا تھا خان بہادر کھوڑو، مسٹر عبدالمجید سندھی اور جی ایم سید ان حضرات میں شامل تھے۔ جو شہ نشین (ڈائس) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب بنگال کے وزیر اعلیٰ مسٹر فضل الحق پہنچے تو سارے پنڈال میں ایک بار پھر تالیاں گونجیں اور "شیر بنگال زندہ باد" کے نعروں سے ساری فضاء ایک بار پھر جھنجھنا گئی۔ نوابزادہ لیاقت علی خان نے سالانہ روئیداد پڑھ کر سنائی اس کے بعد مسٹر فضل الحق نے مندرجہ ذیل قرارداد کی تحریک پیش کی۔

"کل ہند مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل نے جو کارروائی کی ہے جیسا کہ دستوری مسئلہ پر ان کی قراردادوں مورخہ ۲۷ اگست، ۱۷ اور ۱۸ ستمبر اور ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء اور ۳ فروری ۱۹۴۰ء سے مترشح ہے اس کو منظور کرتے ہوئے اور اس کی توثیق کرتے ہوئے کل ہند مسلم لیگ کا یہ اجلاس بڑے شد و مد سے اور انتہائی پرزور الفاظ میں اس بات کو دہراتا ہے کہ حکومت ہند کے ایکٹ ۱۹۳۵ء میں وفاق کی جو اسکیم شامل کی گئی ہے وہ اس ملک کے مخصوص اور عجیب حالات میں کلی طور پر غیر موزوں اور ناقابل عمل ہے۔

یہ اجلاس اپنے اس پرزور خیال کا مزید اظہار کرتا ہے اور ضبط تحریر میں لاتا ہے کہ وائسرائے کا اعلان شاہی جو اس نے ملک معظم کی حکومت کی جانب سے ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو کیا ہے اس حد تک قابل اطمینان ہے جس حد تک وہ اعلان یہ اظہار کرتا ہے کہ اس پالیسی اور منصوبے جس پر حکومت ہند کے ایکٹ ۱۹۳۵ء کی بنیاد رکھی گئی ہے مختلف جماعتوں کے مفادات اور ہندوستانیوں کے فرقوں کے مشورے اور ان کی رائے سے دوبارہ غور کیا جائے گا لیکن مسلم ہندوستان اس وقت تک مطمئن نہیں ہوگا جب تک کہ سارا دستوری منصوبہ ایک سرے سے ایک بار پھر زیر غور نہ لایا جائے اور کوئی ترمیم شدہ یا نظرثانی شدہ منصوبہ مسلمانوں کو اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگا جب تک وہ ان کی اپنی مرضی اور اجازت سے دوبارہ مرتب نہ کیا جائے۔

یہ طے کیا گیا ہے کہ یہ کل ہند مسلم لیگ کے اس اجلاس کی متفقہ اور سوچی سمجھی رائے ہے کہ کوئی دستوری منصوبہ اس ملک میں قابل عمل نہ ہوگا اور نہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہوگا جب تک وہ ذیل کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں نہ مرتب کیا جائے۔ یعنی یہ کہ جغرافیائی طور پر متصل وحدتوں کی منطقوں کی شکل میں حلقہ بندی کی جائے اور ان کی حد بندی اس طرح سے علاقائی تبدل و تغیر ترمیم و اضافے کے ذریعے ہو جن کی فی الواقع ضرورت لاحق ہو جائے۔ اور یہ کہ وہ علاقے جہاں مسلمان بلحاظ تعداد و اکثریت میں ہیں مثلاً شمال مغربی اور مشرقی ہندوستان کے منطقوں میں ان کی اس طرح گروپ بندی کی جائے کہ وہ ایک آزاد و خود مختار ریاست کی ایسی صورت اختیار کر لیں جس میں ملحقہ وحدتیں خود مختار اور مقتدر ہوں اور یہ کہ مناسب، اطمینان بخش، مؤثر اور از روئے قانون تفویض شدہ تحفظات منطقوں کی ان وحدتوں میں آباد اقلیتوں کے لئے اور ان کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات ان کے اپنے مشوروں کے تحفظات کی صورت میں خصوصیت کے ساتھ اور دستور میں فراہم کئے جائیں اور ہندوستان کے ان علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں مناسب موزوں، اطمینان بخش مؤثر اور قانوناً تفویض شدہ تحفظات ان کے لئے اور دیگر اقلیتوں کے لئے دستور میں فراہم کئے جائیں گے تاکہ ان کے مذہبی معاشی سیاسی انتظامی اور حقوق و مفادات کا خود ان کے اپنے مشوروں سے تحفظ کیا جا سکے۔ یہ اجلاس مجلس عاملہ کو مزید یہ اختیارات دیتا ہے کہ وہ ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں ایک ایسی دستوری اسکیم مرتب کرے جو متعلقہ منطقوں کو بالآخر سارے اختیارات مثلاً دفاع، امور خارجہ مواصلات، محصول چنگی اور دوسرے امور جو ضروری ہوں سنبھالنے کا موقع فراہم کر دے۔"

قرارداد کی تحریک پیش کرتے ہوئے مسٹر فضل الحق نے کہا "ہم نے یہ بات بالوضاحت اور بغیر کسی تذبذب کے کہہ دی ہے کہ ہم جو چیز چاہتے ہیں وہ محض وفاق کے تصور کی دفع الوقتی کے لئے ادھر ادھر سے درستگی نہیں ہے بلکہ

[illegible] صوبوں کو سیاسی، دستوری اور صحت سے [illegible] وفاق [illegible] علاقے کے [illegible] [illegible] ہیں [illegible] بنگال [illegible] ہندوستان کے مسلمان [illegible] حاصل کے [illegible] ہم [illegible] ہندوستان کے [illegible] دستور کو [illegible] مسلمانوں کے حالات کا خیال [illegible] اٹھائے گئے [illegible] پوزیشن بالکل واضح کر چکے ہیں مسلم اکثریت کی اس حالت سے بحالت موجودہ مسلمان ہندوستان کے [illegible] ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بظاہر بڑی بھاری تعداد معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت تعداد کے اعتبار سے مسلمان ایک بہت ہی کمزور پوزیشن میں ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں میں ہیں پنجاب اور بنگال میں ہم ایک [illegible] کی اکثریت میں ہیں اور دوسرے تمام علاقوں میں بہت ہی [illegible] اقلیت میں پوزیشن کچھ ایسی ہے کہ دستور خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کے مفادات کو خطرہ لاحق ہونا اس یقینی ہے بالکل اسی طرح جس طرح صوبائی خود مختاری کے تین سالہ عملی دور میں مفادات کو نقصان پہنچا۔ مسٹر فضل الحق نے مولانا ابوالکلام آزاد کے عالیہ بیان کو جو انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت کے ذریعے دیا تھا کہ مسلمانوں کو ہراساں نہیں ہونا چاہیے غیر اخلاقی احساسات اور جذبات کا مظہر قرار دیا۔

اگر مسلمان کوئی معمولی تعداد ہوتی تو مجھے انہیں خائف ہونے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ مسٹر فضل الحق نے کہا اگر [illegible] مسلمانوں کو ایک کافی اور شاندار تناسب ایک صوبہ میں مل گیا ہوتا تو ہمیں پھر کسی بات کا خدشہ تھا جس طرح کہ اس وقت ہم ہیں ہمارے سیاسی دشمن موقع و محل اور حالات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہمارے دوستوں کو یاد ہوگا کہ پنجاب اور بنگال تک بھی ہماری پوزیشن کچھ ایسی زیادہ محفوظ نہیں ہے۔

مجالس مقننہ میں ہم کوئی ایسی خاص بھاری اکثریت میں نہیں ہیں یہی خطرہ حکومتیں بنانے کے لئے ماہرین دستور کی نظر میں حکومتوں کو کمزور ترین شکل اور ہیئت سے دیگر [illegible] دو اقلیتوں کی اعانت حاصل کرنی ضروری ہے جہاں تک دیگر صوبوں کا تعلق ہے ہم ایک بہت ہی کمزور حیثیت کے

مالک ہیں اور اکثریت کے [illegible] ہیں جب تک کہ اس مسلم آبادی کی اکثریت [illegible] تقسیم کا کوئی حل [illegible] دستوری تبدیلی [illegible] انتظامات کی [illegible] اختلافی [illegible] حصول اور [illegible] یہ خلوص کے ساتھ سارے ہندوستان میں اپنے مسلمان دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ سنجیدگی [illegible] فیصلہ کریں اور یاد رکھیں کہ ہمیں اپنے [illegible] ہے اور ہم کسی اور پر اعتماد نہیں کر سکتے یہ ایک ایسی ہی بات ہے جیسی [illegible] ہندوستان کے مسلمانوں کا کوئی نہیں۔

مسٹر فضل الحق نے سامعین سے اپیل کی کہ وہ ان کی تحریک کو قبول کریں اور توقع ظاہر کی کہ اس کے نتائج اچھے نکلیں گے۔

قائداعظمؒ نے
دو گھنٹے کی تقریر
میں ہر
اہم موضوع پر
اظہارِ خیال کیا

قرارداد کی تائید کرتے ہوئے چوہدری خلیق الزمان نے کہا کہ مسلمانوں کو ان حالات کے بارے میں غور کرنا چاہیے جنہوں نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ علیحدگی اور جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں خود ان کی حکومت کے قیام کا مطالبہ کریں اول تو اس مطالبہ کی ساری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے جس نے ہندوستانیوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ اعلان کیا کہ ہندوستان ایک ملک ہے اور ایک قوم ہے اور اکثریت اور اقلیت کے مسئلے کھڑے کر دیئے انہوں نے پروپیگنڈہ کا اس قدر شدید طوفان بپا کر دیا کہ یہ معاملہ فی الواقعی ایک دشوار مسئلہ سمجھا جانے لگا۔ حالانکہ اس سوال کا سرے سے وجود ہی نہ تھا انگریزوں کے بعد کانگریس اور اکثریتی فرقہ مسلمانوں کے مطالبہ علیحدگی کا ذمہ دار ہے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے صوبائی حصہ کی کانگریسی صوبوں میں سہ سالہ کارگزاری کے دوران بالآخر علیحدگی کے سوال کو اٹھا ہی دیا اور اس کا اعلان کرنا پڑا۔ اکثریتی فرقے نے ان صوبوں میں اقلیتوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا تھا اس پر کسی تبصرے کی چنداں ضرورت نہیں

ہم اب [illegible] سمجھ چکے ہیں کہ [illegible] وجود ہی خطرہ میں پڑ گیا ہے اگر وہ اپنی حیثیت [illegible] انہیں [illegible] جائیں گے۔

[illegible] کانگریس [illegible] مسلم سیاسی جماعتوں میں شامل [illegible] مسلمانوں کے اتحاد اور ان کی صفوں کو توڑنے کی [illegible] کی تقریر جاری رکھتے ہوئے چوہدری خلیق الزمان نے کہا کہ مولانا ابوالکلام آزاد سے وہ بالکل اختلاف کرتے ہیں جہاں انہوں نے یہ کہا کہ مسلمان اپنی مدافعت کیلئے کافی [illegible] ہیں انہیں علیحدگی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے انہوں نے مزید کہا کہ ان مسلمانوں کی ذمہ داری بہت بھاری ہے جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کو نقصان پہنچایا اس لئے کہ وہ نہ صرف موجودہ نسل سے غداری کر رہے ہیں بلکہ آنے والی نسلوں سے بھی اگر کانگریس مسلم کانگریسیوں کے مشورے پر عمل پیرا رہی تو ہندوستان میں خانہ جنگی کا ہو جانا لازمی اور یقینی ہے۔

قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان ایم ایل اے (مرکزی) نے کہا کہ وہ آج یوں محسوس کر رہے ہیں جیسے وہ ایک آزاد ہندوستان میں کھڑے بول رہے ہیں ایک عرصہ دراز تک وہ ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار رہے اور کافی عرصہ تک کانگریس میں بھی رہے اس سارے عرصہ میں انہوں نے یہ دیکھا کہ کانگریس آزادی کے حصول کی مطلق خواہشمند نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ اقلیتوں کو دبانا اور انہیں مجبور کرنا چاہتی ہے کانگریس نے موجودہ اعلیٰ حیثیت اس حمایت اور اعانت کی وجہ سے حاصل کی ہے جو مسلمانوں نے سابقہ ایام میں اس کو دی تھیں لیکن اب کانگریس نے مسلمانوں سے ایک بے تعلقانہ رویہ اختیار کر لیا ہے وہ اور ان کے ساتھ دیگر حضرات جو انہیں کے مکتب خیال کے پیرو تھے مسلم لیگ کی یہ کہہ کر ہمیشہ تنقید کرتے رہتے ہیں کہ وہ کوئی تعمیری کام نہیں کر رہی ہے کانگریس کی تجویز مجلس دستور ساز کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا ظفر علی خان نے بڑے پُرزور الفاظ میں یہ کہا کہ وہ کسی ایسے دستور کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے جس کو ہندوستان کے مسلمانوں کی تائید اور منظوری حاصل نہ ہو۔

سردار اورنگ زیب خان، صوبہ سرحد کی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف نے کہا کہ "مجھے اس قرارداد کی تائید کا اعزاز حاصل ہوا ہے جس کی تحریک بنگال کے شیر نے پیش فرمائی ہے اس پر متانت سنجیدگی اور جذبات سے

قطعی معذور ہو کر سوچنا اور غور کرنا چاہیے"۔ انہوں نے ہندو صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں کو اس قرارداد کی حمایت پر مبارکباد دی جو صرف چھ کروڑ مسلمانوں کی آزادی حاصل کرنے کے لئے پیش کی گئی تھی سرحد کے بارے میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ صوبہ ہندوستان کا دروازہ ہے اور ان مسلمانوں کو جو ہندو صوبوں میں رہتے ہیں اس کا یقین دلانے کے لئے وہ وہاں موجود ہیں کہ وہ سب کے سب ہمہ وقت اپنے ہم مذہبوں کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مقرر نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو اقلیتی فرقہ قرار دینا انتہائی لغو ہے جبکہ ہندوستان کے چار صوبوں میں وہ اکثریت کے حامل ہیں اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے سردار اورنگزیب خان نے کہا کہ "ہم برطانوی جمہوریت نہیں چاہتے جو سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ سروں کو گن لیا جائے۔ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں ہم مسلمان قوم کے لئے ایک وطن چاہتے ہیں اور ہمارا دین رہی ہے جس کی تصریح قرارداد میں کر دی گئی ہے۔

سردار عبداللہ ہارون ایم ایل اے (مرکزی) نے کہا کہ "ایک امر واقعہ ہے اور سب اس حقیقت سے واقف ہیں کہ مسلمان سندھ کے راستے ہندوستان میں آئے۔ سندھ کے مسلمانوں کے سامنے سب سے پہلے یہ مسئلہ آیا تھا جو اب مسلم لیگ کے سامنے ہے ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ نے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں "آزاد ریاستوں" کے قیام کے لئے ایک قرارداد منظور کی تھی۔ اس کے بعد اب تک مختلف دستوری اسکیمیں اور تجاویز کی تشکیل عمل میں آئی اور اب ان پر اس ہدایت کے مطابق غور ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اسے بغیر کسی روک ٹوک کے منظور کر لیں سر عبداللہ ہارون نے ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ اگر ہندو صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ سلوک نہیں کیا گیا تو مسلم صوبوں میں ہندوؤں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو ہٹلر نے صیہونیوں کے ساتھ کیا تھا مقرر نے توقع ظاہر کی کہ وہ تجویز جو قرارداد میں متشکل کی گئی ہے ہندوؤں اور انگریزوں دونوں کے لئے قابل قبول ہو گی اس لئے کہ اس خارزار مسئلہ کا اس سے بہتر کوئی اور حل نہیں تھا۔ کیونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا اس اجلاس کو اتوار کی صبح تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

تیسرا دن

۲۴ مارچ سن ۱۹۴۰ء

مسلم لیگ کا تیسرے دن کا اجلاس اتوار ۲۴ مارچ کو سوا گیارہ بجے شروع ہوا۔ نوابزادہ لیاقت علی خان جنرل سیکرٹری کل ہند مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ قائداعظم کچھ تاخیر سے تشریف لائیں گے انہوں نے فرمایا ہے کہ کارروائی کا آغاز کر دیا جائے نواب صاحب ممدوٹ کو کرسی صدارت سونپی گئی اور تلاوت کلام پاک سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ معتمد عمومی نے اعلان کیا کہ دوسرا کھلا عام اجلاس آج شب ۹½ بجے منعقد ہو گا قرارداد اور دستوری مسئلہ پر بحث دوبارہ شروع ہوئی اسی عرصہ میں قائداعظم تشریف لے آئے اور انہوں نے کرسی صدارت سنبھال لی

خان بہادر نواب محمد اسمٰعیل خان صدر بہار مسلم لیگ نے قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک اقلیتی صوبہ سے تعلق رکھتے ہیں جہاں مسلمانوں کو آزادی تقریر حاصل نہیں ہے اس اجلاس میں جو ایک آزاد سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے انہیں آزادی سے تقریر کرنے کی مسرت حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے مسلم اکثریتی صوبوں کا شکریہ ادا کیا کہ ان صوبوں نے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے حقوق اگر غصب کرنے کی کوشش کی تو ممکنہ مدد کرنے کی پیشکش کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے فرمایا کہ انہیں اپنے صوبے کے مسلمانوں پر پورا اعتماد ہے اور بھروسہ ہے کہ وقت ضرورت وہ اپنی مدافعت خود کر سکیں گے مولانا آزاد کے خطبۂ صدارت کا حوالہ دیتے ہوئے نواب صاحب نے کہا کہ وہ کانگریس سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مولانا آزاد کی آواز مسلمانوں کی آواز نہیں ہے اس کے برعکس مسٹر جناح (قائداعظم) کی آواز صحیح معنوں میں مسلمانان ہند کی ترجمان ہے (تالیاں)

مسٹر محمد عیسیٰ خان (بلوچستان) نے اقلیتی صوبوں میں رہنے والے اپنے ہم مذہبوں کو یقین دلایا کہ جب وہ اکثریتی صوبوں میں آزادی و خود مختاری حاصل کریں گے تو انہیں ہرگز فراموش نہیں کریں گے اور ان کے قبضۂ قدرت میں جو کچھ بھی ہو گا اس سے انکی مدد کریں گے۔ انہوں نے سامعین کو یہ یاد دلایا کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی طرح مسلمانانِ بلوچستان بھی ہندوستان کے دربان ہیں اس لئے کہ وہ درۂ بولان پر پہرہ دیتے ہیں اور اسکی حفاظت کرتے ہیں ان کے ذمہ ایک بہت اہم کام ہے اور وہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اقلیتی صوبوں میں رہنے والے اپنے بھائیوں کے معیار پر پورے اتریں گے۔۔۔۔

مدراس اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے قائد مسٹر عبدالحمید خان نے اعلان کیا کہ کل ہند مسلم لیگ گذشتہ ۲۷ برس سے ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑ رہی ہے اس جدوجہد میں انہوں نے محض اس امید میں ہندوؤں سے تعاون اور اشتراک عمل کیا کہ ہندوستان کی آزادی کے معنی اس ملک میں رہنے والے ہر فرد کی آزادی ہو گی۔ لیکن اسکی یہ توقعات اور امیدیں گیارہ صوبوں میں سے ۲½ سالہ کانگریسی دور حکومت کے دوران کانگریسی رویہ کے پیش نظر غلط ثابت ہوئیں، مسٹر عبدالحمید نے کانگریسی دور حکومت کا شکریہ ادا کیا کہ ان صوبوں میں مسلمانوں کے اندر ایک عام بیداری پھیل گئی اور مسلم لیگ تقریباً ہر صوبہ میں منظم ہو گئی انہوں نے اس توقع کا اظہار کیا کہ جب لیگ نیا دستور مرتب کرے گی تو اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں سے پوری طرح صلاح و مشورہ کرے گی۔

بمبئی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے نائب قائد مسٹر اسمٰعیل حیدر یگر نے اعلان کیا کہ سارے ہندوستان کا ایک ایسا وفاق جس میں مسلمان ایک ناگفتہ بہ اقلیت بن جائیں ان کے لئے کسی طور قابل قبول نہیں ہے انہوں نے فرمایا کہ قرارداد میں جو اسکیم پیش کی گئی ہے وہ ہر زاویہ نظر سے منصفانہ مناسب اور موزوں ہے مسلمان کسی بھی حالت میں ایک ایسی مجلس دستور ساز کی تجویز کی حمایت پر تیار نہیں ہیں جس کی رو سے مسلمان ایک اور تین کی نسبت میں اقلیت بن جائیں انہوں نے راجکوٹ تحقیقاتی کمیٹی کے تقرر کا واقعہ یاد دلایا جبکہ مسٹر گاندھی نے اس کمیٹی میں دو مسلمانوں کو شامل کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی اس شرط پر کہ وہ دونوں مسلمان پرجا پریشد کے اراکین کے ساتھ ووٹ دیں اور ان سے اتفاق کریں کیا اسی قسم کی آزادی کانگریس مسلمانوں کو دینا چاہتی ہے"؟

سید عبدالرؤف شاہ صدر صوبجات متوسط مسلم لیگ نے کہا کہ وہ ایک ایسے صوبہ سے تعلق رکھتے ہیں جو کانگریس کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا ہے کانگریسی وزارت کی خونخواری اور اس کے ظلم و ستم کے باوجود مسلمانوں نے صبر سے کام لیا انہوں نے اپنے ہم مذہبوں سے درخواست کی کہ وہ اقلیتی صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے پریشان اور متردد نہ ہوں انہیں اپنے خدا پر بھروسہ و اعتماد ہے ایک دن ضرور آئے گا جب مسلم اکثریتی صوبوں میں اپنے بھائیوں کی طرح وہ بھی آزاد ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر محمد عالم (ایم ایل اے) پنجاب کا جنہوں نے حال ہی میں کانگریس سے استعفےٰ دیا تھا، جونہی وہ قرارداد کی حمایت کے لئے کھڑے ہوئے پر زور تالیوں سے ان کا استقبال کیا گیا انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ قرارداد میں جس اسکیم کا خاکہ پیش کیا گیا ہے وہ محض ایک خواب ہے انہوں نے کہا کہ انہیں یقین کامل ہے کہ یہ خواب ایک

حقیقت میں تبدیل ہو جائے گا، انہوں نے کہا کہ ۱۹۱۷ء میں غدر پارٹی کی جانب سے بھائی پرمانند نے جب اسی سے ملتی جلتی ایک تجویز پیش کی تھی تو کسی نے اس کو خواب قرار نہیں دیا تھا، کانگریس کی حیثیت کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عالم نے کہا کہ کانگریس آزادی کی خواہشمند نہیں ہے بلکہ برطانوی حکومت کی سرپرستی میں ہندو راج چاہتی ہے یہی وجہ تھی کہ مشہور و معروف مسلم قوم پرستوں نے جیسے کہ مولانا محمد علی جوہر تھے کانگریس سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے یہ درست نہیں کہ مسلمانوں نے کانگریس کو چھوڑ دیا، ڈاکٹر عالم نے کہا بلکہ اس کے برعکس حقیقت دراصل یہ ہے کہ کانگریس نے اپنی اصل حیثیت کو خیرباد کہہ دیا اور مکمل آزادی کے اپنے مطمع نظر کو ترک کر دیا ہے ڈاکٹر عالم نے بیان کیا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہونے سے پہلے کس طرح مسٹر جناح (قائداعظم) سے ملنے دہلی گئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ قرارداد میں جو لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے اس کو پورا کرنے کے لئے مسلم لیگ کیا کیا قربانیاں دینے پر آمادہ ہے؟

مسٹر جناح (قائداعظم) نے انہیں یقین دلایا کہ وہ اس کے حصول کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیں گے اور وہ پہلے آدمی ہونگے جو جیل جائیں گے۔ (بڑے زور و شور سے تالیاں) ڈاکٹر عالم نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ تمام اضلاع میں لیگ کی شاخیں قائم کریں اور ان کی تنظیم کریں ایک ایک شہر ایک ایک گاؤں اور ایک ایک محلے میں لیگ کی تنظیم کر کے قائداعظم کے ہاتھ مضبوط کریں۔

جب ڈاکٹر عالم کی تقریر ختم ہوئی تو قائداعظم نے اعلان کیا کہ وہ عام کھلے اجلاس میں فلسطین سے متعلق صرف ایک قرارداد پیش کرنے کی اجازت دیں گے حالانکہ "سبجیکٹ کمیٹی" نے اس معاملہ پر غور کر کے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کئی ایک غیر سرکاری قراردادوں پر کمیٹی نے خطِ تنسیخ کھینچ دیا ہے۔

چنانچہ اس کے بعد قرارداد پر بحث روک دی گئی اور مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی نے جنہوں نے سال گذشتہ قاہرہ میں فلسطین کانفرنس میں شرکت کی تھی قراردادِ فلسطین پیش کی قرارداد کے الفاظ یہ تھے۔

"کل پاکستان مسلم لیگ فلسطین میں عربوں سے معاملات کی یکسوئی کے سلسلے میں برطانوی حکومت جو بے حد تاخیر سے کام لے رہی ہے اس کو بہت زیادہ تشویش کی نظر سے دیکھتی ہے اور نہایت واضح الفاظ میں اور بغیر کسی پس و پیش کے اپنا یہ حتمی خیال ضبطِ تحریر میں لاتی ہے کہ فلسطین میں اس قسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے انتظامات نہیں کئے جائیں گے جو عالمِ اسلام سے کئے ہوئے وعدوں کی روح کے منافی ہوں بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں سے جو عہد صرف اس لئے کئے گئے تھے کہ ۱۹۱۴ء-۱۸ کی جنگِ عظیم میں انکی عملی امداد حاصل کی جا سکے۔

مزید یہ کہ لیگ برطانوی حکومت کو اس خطرے کے خلاف انتباہ دیتی ہے جو برطانوی حکومت ارضِ مقدس میں ایک بہت بھاری تعداد میں انگریزی افواج کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر پیدا کر رہی ہے تاکہ عربوں کو مرعوب کر کے انہیں اطاعت و فرمانبرداری پر مجبور کیا جا سکے۔

سر سید رضا علی نے قرارداد کی تائید و حمایت کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ فلسطین سے کسی قسم کی خبریں موصول نہیں ہو رہی ہیں۔ قرارداد کی حمایت میں جب عبدالحامد بدایونی بول چکے تو عام اجلاس نے اسے منظور کر لیا۔

اس مرحلے پر اجلاس عارضی طور پر ملتوی ہو گیا رات کو ۹ بجے اجلاس دوبارہ شروع ہوا اسوقت قائداعظم نے کرسیٔ صدارت سے خاکساروں کے معاملہ پر اس قرارداد کو پیش کیا۔

قائداعظمؒ کی تقریر انگریزی میں تھی مگر انہوں نے اپنی شخصیت کے سحر سے سامعین کو مسحور کر دیا۔

کل ہند مسلم لیگ کا یہ اجلاس ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کے اس المناک حادثہ پر بے حد افسوس اور بے پایاں رنج و غم کا اظہار کرتا ہے جو خاکساروں اور پولیس کے درمیان ایک تصادم کی وجہ سے پیش آیا اور جس کے نتیجہ میں ایک معتدبہ تعداد میں انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور کافی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے اس اظہارِ افسوس کے ساتھ یہ اجلاس ان سے بے انتہا مخلصانہ ہمدردی کا اظہار بھی کرتا ہے جنہیں اس حادثہ کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا اور ان کے لواحقین اور خاندانوں سے بھی۔

یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بلا تاخیر ایک آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرے جس کے اراکین وہ ہوں جنہیں عوام کا پورا پورا اعتماد حاصل ہو اور ان اراکین کو یہ ہدایت دی جائے کہ وہ اس واقعہ کی مکمل تحقیقات کریں اور تشفی بخش تحقیق و تفتیش کے بعد جسقدر جلد ممکن ہو اپنی رپورٹ تیار کریں۔

یہ اجلاس مجلس عاملہ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ کمیٹی کی رپورٹ شائع ہونے کے فوراً بعد اس سلسلے میں جو کارروائی وہ مناسب سمجھے کرے۔

یہ اجلاس مختلف حکومتوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ خاکسار تنظیم کو ایک غیر قانونی تنظیم قرار دینے سے اپنے حکم کو جسقدر جلد ممکن ہو منسوخ کر دے۔

قرارداد کی تشریح کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا "یہ قرارداد موضوعاتی کمیٹی (سبجیکٹس کمیٹی) کے اس غور و خوض کا نتیجہ ہے جو گذشتہ رات ۹ بجے سے ۲ بجے تک ہوتی رہی ہے۔ سبجیکٹ کمیٹی نے اس قرارداد کو جس شکل میں منظور کیا تھا اس شکل میں یہ آپکے سامنے اسوقت پیش ہے اراکین کمیٹی نے اس کو بہ اتفاق آراء منظور کیا اب اس پر آپکو فیصلہ دینا ہے یہ قرارداد ان اراکین کی بڑی سوچی سمجھی رائے کی غماز ہے اور ان کی یہ خواہش ہے کہ میں آپ تک یہ بات پہنچا دوں کہ اس قرارداد کو کرسیٔ صدارت سے پیش ہونا چاہیئے، اس طریقۂ کار کو اختیار کرنے کی کئی ایک وجوہات ہیں، پہلا سبب تو یہ ہے کہ یہ بات قطعی مناسب و پسندیدہ نہ ہوگی کہ لوگ آئیں اور تقریر پر تقریر کرتے چلے جائیں جذبات پر پابندی لگانا بہت مشکل ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ دوران تقریر کوئی ایسی بات کہہ بیٹھیں جو ہمارے مفادات کو مجروح کرتی ہو دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ معاملہ قانونی ہے یہ ایک مکمل چھان بین اور تحقیقات و تفتیش کا مقتضی ہے اور یہ بات قطعاً موزوں اور درست نہ ہوگی کہ ایک طرف تو ہم تحقیقات و تفتیش کا مطالبہ کریں اور دوسری طرف اپنا فیصلہ بھی سنا دیں۔

قائداعظم نے سامعین کی توجہ قرارداد کی اس دفعہ کی جانب مبذول کرائی جس کے ذریعہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے شائع ہونے کے فوراً بعد اس کے خیال میں جو مناسب و موزوں ہو سکتی ہو کارروائی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ انہوں نے سامعین کو اور خاکسار تنظیم کے اپنے دوستوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ مجلس عاملہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی جب تک وہ پورا پورا انصاف حاصل نہ کر لیں، خواہ وہ حکومت پنجاب ہو یا حکومت ہند، وزارت پنجاب ہو یا پنجاب کا وزیر اعلیٰ، وہ کسی کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک انصاف حاصل نہ ہو جائے۔ انہوں نے پنجاب کے ہر ایک مسلمان اور بالخصوص پنجاب کے خاکساروں سے اور ہندوستان کے

دیگر علاقوں کے حامی رہنماؤں سے یہ درخواست کی کہ وہ آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس کا اہتمام کریں کہ تحقیقات کا اختیار رکھنے والے فرد یا ادارہ کے سامنے سارا مواد اکٹھا کر کے پیش کیا جا سکے انہوں نے ان لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ کسی ایسے شخص کو مقرر کریں جو اخراجات کی پرواہ کئے بغیر ان کا سارا مواد اور ساری شہادتیں تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے پیش کر دے فی الحال تو یہی ایک بہت اہم کام ہے" باقی ہم دیکھ لیں گے انشاءاللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا۔ یہ قرارداد بہ اتفاق آراء منظور کر لی گئی۔

قراردادِ لاہور کی منظوری

اصل قرارداد کے اس حصہ پر جس کا تعلق دستوری مسئلہ تھا پھر بحث شروع ہوئی سید ذاکر علی، بیگم محمد علی (مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی بیوہ) اور مولانا حامد بدایونی نے قرارداد کی حمایت میں تقریریں کیں اور بے حد جوش و خروش کے درمیان بہ اتفاق آراء اس قرارداد کو منظور کر لیا گیا۔

بعد ازاں نوابزادہ لیاقت علی خان نے عام اجلاس کے سامنے قرارداد ذیل پیش کی جو مسلم لیگ کے دستور میں بعض ان ترمیمات سے متعلق تھی جنہیں سبجیکٹس کمیٹی (موضوعاتی کمیٹی) منظور کر چکی تھی۔

کل ہند مسلم لیگ کے دستور و ضوابط میں ذیل کو ۳۱۔ الف کے طور پر شامل کیا جائے۔

(۱) کل ہند مسلم لیگ کی مجلس عاملہ مختلف صوبائی لیگوں کی سرگرمیوں کی کل ہند مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط کی عین مطابقت میں نگرانی کرے گی، انہیں ہدایت دے گی ان کی رہنمائی کرے گی اور انہیں باقاعدہ اور باضابطہ بنائے گی۔

(۲) کل ہند مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو اختیار حاصل ہو گا کہ:

(الف) وہ ہر اس انفرادی رکن کونسل کل ہند مسلم لیگ کے خلاف انضباطی کارروائی کرے جو لیگ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کرتا ہے یا اس کے اغراض و مقاصد کے منافی کوئی حرکت کرتا ہے لیکن اس کو کل ہند مسلم لیگ کی کونسل سے رجوع ہو کر اپیل کرنے کا بہر حال حق ہو گا۔

(ب) ہر اس صوبائی لیگ کو معطل کرنے، توڑ دینے یا اس کا الحاق منقطع کرنے کا اختیار حاصل ہو گا جو اپنے فرائض کی بجا آوری میں ناکام رہے کل ہند مسلم لیگ کی ہدایات یا فیصلوں کو نظر انداز کرے یا ان سے منحرف ہو یا لیگ کی کارکردگی میں کسی انداز میں اور کسی نوعیت سے روڑے اٹکائے لیکن اس لیگ کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ اس تادیبی کارروائی کے خلاف کل ہند مسلم لیگ کی کونسل سے اپیل کر سکے"۔

آپ کے تحفظ کی یہی صورت ہے کہ صرف اپنے اوپر بھروسہ کیجئے

ترمیمات بہ اتفاق آراء منظور کر لی گئیں۔ اس کے بعد اجلاس عام نے اگلے سال کے لئے عہدہ داروں کے انتخابات کی کارروائی شروع کی۔ سر سید رضا علی کی تحریک پر نوابزادہ لیاقت علی خان اور راجہ صاحب محمود آباد علی الترتیب اعزازی معتمد اور اعزازی خازن منتخب کر لئے گئے نائب معتمدین کا انتخاب مسلم لیگ کی کونسل پر چھوڑ دیا گیا اس کے بعد قائداعظم نے نواب بہادر یار جنگ (مرحوم) سے جلسہ سے خطاب کرنے کی خواہش ظاہر کی، جن کی فکر انگیز اور ذہن کو روشن کر دینے والی اسلام اور جمہوریت پر فصیح اور بلیغ اردو میں خطابت نے سارے مجمع کو بے حد متاثر کیا بعد ازاں قائداعظم نے جلسے کی کارروائی ختم کرنے سے قبل اختتامی تقریر فرمائی۔

اپنے اختتامی فقروں میں قائداعظم نے استقبالیہ کمیٹی کا ان کا شاندار استقبال کرنے اور اس اجلاس کی کارروائی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ہر قسم کی اعانت اور تعاون کرنے کے سلسلے میں بہت شکریہ ادا کیا، انہوں نے مزید فرمایا کہ مسلمان نے ساری دنیا کے سامنے اس کا مظاہرہ کر کے دکھا دیا تھا کہ نظم و نسق کے وہ کس قدر پابند تھے، خاکساروں کے المیہ کا ذکر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ انہیں جب خاکساروں پر گولی چلنے کے بارے میں علم ہوا تو وہ بے حد مضطرب اور بے چین ہوئے تھے انہیں لیگ کے اجلاس منعقد نہ کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا لیکن انہیں اپنے عوام پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ تھا اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اجلاس ملتوی نہیں کریں گے۔ جب وہ لاہور پہنچے تو انہوں نے اخباری نمائندوں سے ایک ملاقات کے دوران یہ کہا تھا کہ مسلم لیگ کا لاہور میں منعقد ہونے والا اجلاس مسلمانان ہند کی مستقبل کی تاریخ میں ایک نشان راہ کی حیثیت ثابت ہونے والا ہے انہیں اس میں مطلق کوئی شبہ نہیں تھا کہ آغاز اجلاس سے کچھ پہلے اس المیہ کے علاوہ یہ سارا اجلاس انتہائی کامیاب ثابت ہوا تھا، اگر یہ المناک واقعہ نہ ہوا ہوتا تو یہ ایک بہت ہی شاندار جلوس ترتیب دیا جاتا اور اس طرح انہیں اپنے سارے جوش و خروش کے مظاہرے کا موقع میسر آتا۔ ان کے مخالف اور دشمن کسی نہ کسی طرح اس اجلاس کو خراب کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی ساری کوششیں ضائع ہو گئیں اور اجلاس بڑی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ قائداعظم بہت خوش تھے کہ اجلاس کی ساری کارروائی نہایت پُرامن اور پُرسکون ماحول کے اندر عمل میں آئی۔ یہ مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش اور کڑے امتحان کا وقت تھا یعنی یہ کہ اس وقت پُرسکون اور پُرامن رہیں، جبکہ ان کا خون کھول رہا ہو اور جبکہ تیس مسلمان گولی مار کر ہلاک کر دیئے گئے ہوں لیکن آپ نے دنیا کے سامنے یہ مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ مسلمان صدمات و سانحات برداشت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں آپ نے دنیا کو یہ بھی دکھا دیا کہ آپ لاکھوں کے مجمع میں اپنی ساری باضابطہ کارروائیاں انجام دے سکتے ہیں یہ ایک نہایت اعلیٰ اور قیمتی سند ہے جو کسی قوم کو دی جا سکتی ہے لیگ کا سارا وقار پنجاب کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا اس لئے میں مسلمانان پنجاب کو اپنے قلب کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں، یہ چیز مجھے آپ سب کی خدمت کرنے کی ہمت دلاتی ہے، تقریر جاری رکھتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ اجلاس لاہور ہندوستان کی تاریخ میں ایک نشان راہ ہے مسلمانوں نے اپنی منزل کی تشریح و تصریح کر دی ہے قائداعظم نے اجتماع کو یقین دلایا کہ وہ سب کے سب اس منزل کے حصول کے لئے جدوجہد کریں گے، انہوں نے یہ فیصلہ صدق نیت سے کیا ہے قائداعظم نے مجلس استقبالیہ کے صدر نواب صاحب ممدوٹ کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے شب و روز کام کیا تھا اور جنہوں نے میزبانی کا پورا پورا حق ادا کر دیا تھا۔ آخر میں قائداعظم نے مسلمانان پنجاب سے اپیل کی کہ وہ پنجاب مسلم لیگ کی تنظیم کریں اور مسلم لیگ کے پیغام کو ایک ایک گاؤں اور ایک ایک گھر تک پہنچا دیں جس قدر زیادہ آپ اپنے آپ کو منظم کریں گے اس قدر زیادہ آپ اپنے حقوق حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں گے انہوں نے کارکنوں، کسانوں، دانشوروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں کو یک زبان اور یک آواز ہو کر کوشش کرنے کی تلقین و نصیحت فرمائی۔

اجلاس "مسلم لیگ زندہ باد" اور "قائداعظم زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں رات کو ساڑھے گیارہ بجے ختم ہوا۔ ●●

دو قومی نظریہ ایک تاریخی جائزہ

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں منظور ہونیوالی علیحدہ وطن کے مطالبہ پر مبنی قرارداد جسے بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مقبولیت حاصل ہوئی دراصل برصغیر کی ایک طویل سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی تاریخ کے تناظر میں بڑی اہمیت حاصل ہے اس سلسلے میں مسلم مفکرین کی آرا میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے اور تقریباً ہر شخص اس بنیادی نکتہ نظر پر اتفاق کرتا نظر آتا ہے کہ صدیوں پر مشتمل مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی روابط کے نتیجے میں یہ بات طے پائی کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیتیں ہیں اور ان کا ایک ہی معاشرے میں ضم ہو کر رہنا ناگزیر ہے ۔۔ یہ ایک طویل بحث ہے اور وقت طلب مسئلہ ہے، تاریخی شواہد کی روشنی میں اس کا تجزیہ اگر کیا جائے تو کئی دفتر درکار ہوں گے اس لئے بغیر کسی واقعاتی بحث میں الجھے ہوئے صرف یہ جان لینا ضروری ہے کہ تحریک آزادی کے فروغ کا حقیقی سبب اور قیام پاکستان کی بنیادی وجہ دو قومی نظریہ ہے جس کی بنیاد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر ہے ۔

برصغیر کی تاریخ صدیوں کے نشیب و فراز کے ساتھ جب سن ۱۸۵۷ء کے نرغہ میں پہنچی تو اس وقت پورا ہندوستان ہزار میل دور سے آئے ہوئے مسیحی تاجروں کے حلقہ اثر میں آچکا تھا وسوسوں اور اندیشوں کے دائرے ہر طرف محیط تھے، امنگوں اور ہمتوں کی بے سر و سامانی مقدر تھی، آبادیاں ویران اور قبرستان آباد ہو رہے تھے، درہ خیبر سے آنے والے جری پٹھانوں سے لے کر جیالے راجپوتوں تک سب کے سب بے دست و پا تھے، اپنی زمین پر حکمرانی اور بالادستی قائم رکھنے والا ہر شخص قابل دار اور بے اعتبار قرار پایا تھا، مسلمانان برصغیر جو کبھی خسروان اقلیم ہفت کشور تھے حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے تھے جبکہ ان کے مقامی حریف ہندو نئی نزاکتوں کے پیش نظر تازہ حکمرانوں سے ساز باز میں مصروف اپنی قومی حیثیت کو مستحکم بنانے کی فکر میں منہمک تھے ۔

ایسے پر آشوب حالات میں مسلمانان برصغیر کو ان کی جداگانہ حیثیت کا احساس دلانے اور ان کو پر وقار قوم کی حیثیت سے منظر عام پر لانے کے لئے دو قومی نظریے کی ترویج و اشاعت کی گئی اور آہستہ آہستہ یہ نظریہ اس قدر مقبول ہوا کہ مسلمانان برصغیر ایک علیحدہ وطن کے حصول کی خاطر ایک مرکز پر مجتمع ہو گئے ۔

تحریر و تحقیق: خواجہ رضی حیدر

دو قومی نظریہ کی ابتدا اور آغاز کے سلسلے میں بھی متعدد آرا موجود ہیں، اس موضوع پر قلم اٹھانے والے تقریباً ہر مورخ اور محقق نے اپنی فہم و فراست کے اعتبار سے دلائل و جواز پیش کئے ہیں لیکن یہ امر واقعی ہے کہ برصغیر میں دو قومی نظریہ کا وجود اس دن عمل میں آیا تھا جب پہلے مسلمان نے اس سرزمین پر قدم رکھا تھا لیکن اس نظریے کے وجود کا پہلی مرتبہ واضح طور پر اظہار مغل شہنشاہ محمد جلال الدین اکبر کے عہد میں حضرت مجدد الف ثانی نے کیا انہوں نے اکبر اعظم کی جانب سے ہندوؤں کے ساتھ بڑھتے ہوئے میل جول اور ہندو معاشرے میں مسلمانوں کی قومی انفرادیت کو مدغم کرنے کی کوششوں کی مذمت کی اور کہا کہ ”اس برصغیر میں دو قومیں آباد ہیں جو اپنے نظریات دینی اور روایات ثقافتی کی بنا پر ایک دوسرے کی ضد ہیں اسلئے یہ کسی صورت میں ممکن نہیں کہ برصغیر میں ایک قومیت کی بات کی جائے ۔

> ہندوستان میں مغربی جمہوریت کے اصولوں کا مختلف ملتوں کے وجود کو تسلیم کئے بغیر اطلاق ممکن نہیں۔
>
> — علامہ اقبالؒ

برصغیر میں مسلمانوں کے ملی تشخص اور انفرادیت کی جانب ۱۸۵۷ء سے قبل متعدد افراد نے جن میں ابوریحان البیرونی نامی سیاح بھی شامل ہے اپنی تحریروں میں اشارہ کیا ہے لیکن اس حقیقت کا اعتراف خود ہندو مورخ کے ایم پانیکار نے لکھا ہے کہ ”ہندوستان میں اسلام کے بحیثیت مذہب تعارف کا مرکزی نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرہ عمودی بنیادوں پر تقسیم ہو گیا تیرھویں صدی عیسوی سے قبل ہندو معاشرہ افقی بنیادوں پر منقسم تھا اور نہ بدھ مت اور نہ جینی مت اس تقسیم کو متاثر کر سکے تھے کیونکہ وہ باہم جذب ہونے والے عناصر تھے اور آسانی سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزار سکتے تھے جبکہ دوسری طرف اسلام نے پورے معاشرے کو اوپر سے نیچے تک دو حصوں میں بانٹ دیا تھا اور جو بات سامنے آئی وہ علیحدہ قومیت کا وجود تھا جس کی بنیاد روز اول ہی پڑ گئی تھی، ایک زمین پر دو متوازی معاشرے متشکل ہو گئے جو ہر سطح پر ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھے کہ شاید ہی ان کے درمیان کوئی سماجی رابطہ یا زندگی کی باہم آویزش کا امکان موجود ہو۔“

مسلمانوں نے برصغیر میں اپنی ثقافت اور ملی تشخص کو نہ صرف فروغ دیا بلکہ اس کی شدید نگہداشت کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی آمد کے کچھ عرصہ بعد ہی اس خطے کی دیگر اقوام کے مقابلے میں ممتاز و منفرد نظر آنے لگے جیسا کہ اوپر ایم پانیکار نے لکھا ہے ۔

انہوں نے اس خطہ میں قیام اقتدار کے بعد ایسے اقدامات کئے جن سے ان کی حکومت مقامی آبادی کی نظروں میں اجنبی اور بدیسی نہ رہی اس ضمن میں مسلمان حکمرانوں

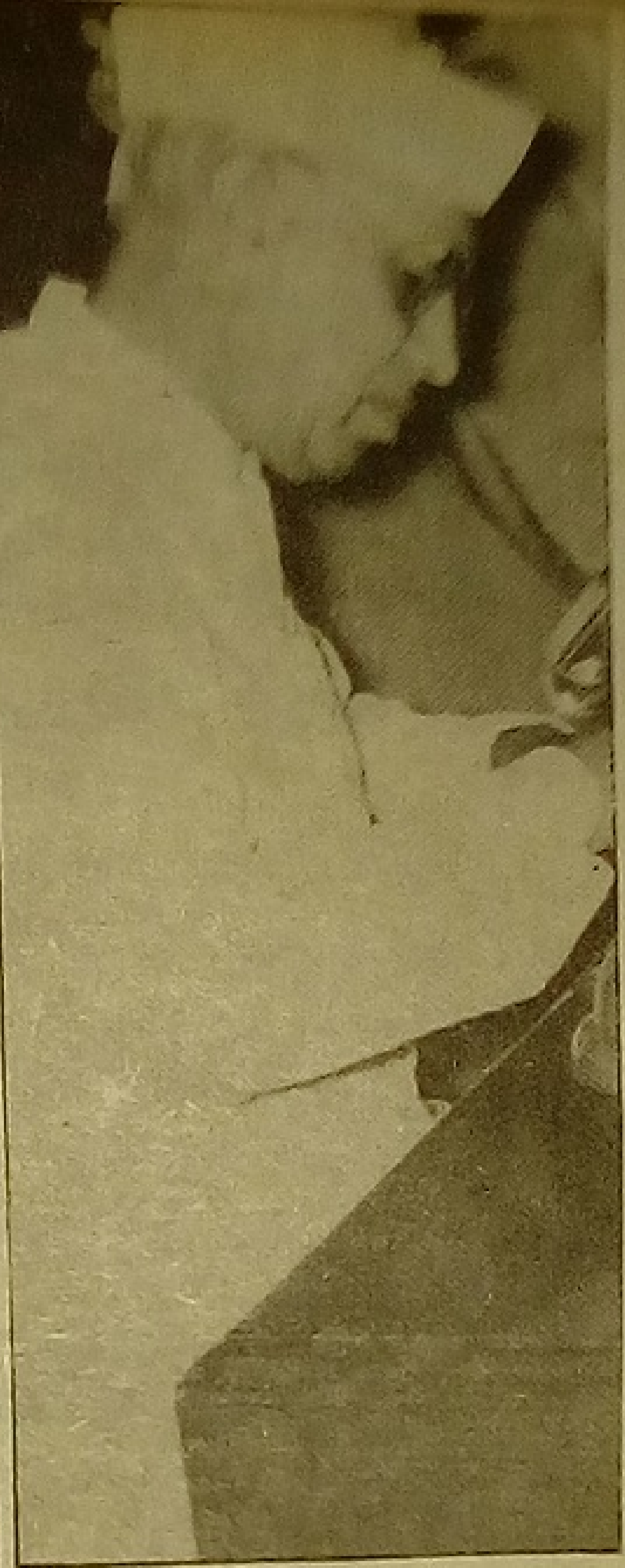
[illegible]

... ناقابل برداشت تھی۔

مسلمانوں نے وسیع بنیادوں پر سیاسی اور عمرانی اخلاق ... کا مظاہرہ کیا اور ہر طرح یہ کوشش کی کہ مقامی آبادی خوش رہے مگر بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی "ہندوؤں کے رویّہ میں تاریخ کے کسی بھی موڑ پر بھی مصلحتاً کوئی لچک پیدا نہیں ہوئی اور وہ برابر اس خطے سے مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ و تیار رہے، اسلامی سلطنت کا وجود ان کی آنکھوں میں کھٹکتا رہا اور وہ برصغیر میں ہندو راج کے قیام کے لئے کوشاں ہے۔"

سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں نے اپنے تعصب کا کھل کر اظہار شروع کر دیا تھا اور ان کی حتی الامکان یہی کوشش تھی کہ کسی صورت سے مسلمانوں کے اقتدار کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے خصوصاً مرہٹہ سردار شیواجی نے اٹھارویں صدی میں ہندوؤں کو مسلم کشی پر آمادہ کرنے کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں، اس کی مسلم دشمنی اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ اس نے [illegible] ... ہے اور نہ جن کو انصاف کرنا آتا ہے [illegible] بادلوں کی طرح گرجنے والی فوجیں مسلمانوں پر تلواروں کا مینہ برسائیں گی برسائیں گی کہ دکن کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارے مسلمان اس سیلاب خون میں بہہ جائیں گے، اور ایک مسلمان کا نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔"

شیواجی کی اس خط کی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیواجی برصغیر سے اسلام کو ختم کر کے اس خطے کا عام مذہب ہندو دھرم کو بنانا چاہتا تھا۔ اس ضمن میں [illegible]



کانگریسی وزارتوں نے مسلمان اقلیت کے ساتھ نہایت کریہہ سلوک روا رکھا۔

کے درمیان تعاون کی راہیں استوار کرنے کے لئے کوشاں تھے مگر ان کی یہ کوششیں بے سود ثابت ہوئیں کیونکہ ۱۸۶۷ء میں ہندوؤں کی جانب سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ بنارس کی عدالتوں میں اردو کی جگہ ہندی رائج کی جائے بقول پروفیسر شریف المجاہد "اگرچہ دونوں زبانوں میں بجز رسم الخط کے کوئی بڑا فرق نہیں تھا تاہم یہ مطالبہ بلاوجہ نہیں تھا اور نہ ہی اس کی وجوہات مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل تھیں چنانچہ مسلمان اپنے معاشرتی، ثقافتی اور روحانی ورثہ کو سرکش ہندو پرستی سے بچانے کے لئے انتہائی چوکس ہو گئے۔" انہوں نے ان تمام باتوں کے نتیجہ میں ۱۸۶۷ء ہی سے

دو قومیت کے اپنے پرانے شدید احساس" کا مظاہرہ شروع کر دیا، خصوصاً لباس، سلام دعا، مذہبی انفرادیت اور دوسرے خارجی امتیازات کو ہندوؤں کے مقابلے میں اس طرح نمایاں کرنا شروع کر دیا جس کی ضرورت ان کو کبھی اپنی بالادستی کے دنوں میں بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔"

ان حالات نے مسلمانوں کے درمیان اندیشوں اور خدشات کی ایک لہر دوڑا دی۔ انیسویں صدی میں سب سے پہلے ان خدشات کا اظہار سر سید احمد خان نے کیا، انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ ہندوؤں کا غلبہ رکھنے والی نو ساختہ سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس سے علیحدہ رہیں اور اپنے قومی تشخص کو برقرار رکھیں، ہر چند کچھ مسلمان اس وقت کانگریس میں شامل ہو گئے تھے لیکن ان کی حیثیت عوامی نقطہ نگاہ سے نہایت غیر اہم تھی۔ سر سید احمد خان نے میرٹھ کے مقام پر ایک تقریر میں کہا کہ "کانگریس کا یہ دعویٰ کہ اس میں مسلمان شامل ہیں بالکل غلط ہے" سر سید احمد خان کے دیگر رفقاء جن میں نواب محسن الملک، سید امیر علی، ڈپٹی نذیر احمد اور دیگر افراد شامل تھے ان کا بھی کانگریس میں شمولیت کے بارے میں یہی موقف تھا وہ کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کو گھاٹے کا سودا تصور کرتے تھے۔

خصوصاً ڈپٹی نذیر احمد نے نئی دہلی کے ٹاؤن ہال میں اکتوبر ۱۸۸۹ء کو ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ انڈین نیشنل کانگریس کا مستقبل کچھ بھی کیوں نہ ہو ہماری حمیت یہ گوارا نہیں کرتی کہ ہم ہندوؤں کے طفیلی بن کر کوئی دنیاوی مفاد حاصل کریں۔

یہی سوچ تھی جس کے نتیجہ میں مسلمان رہنماؤں کو مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنے کا خیال آیا اور انہوں نے سمت میں نہایت سرعت کے ساتھ پیش رفت شروع کر دی اور ۱۸۹۶ء میں سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے مسلمانان برصغیر کی سب سے پہلی سیاسی جماعت مسلم پولیٹیکل ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی اور اس جماعت کے پہلے ہی اجلاس میں یہ طے پایا کہ مسلمان موجودہ حالات میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتے اجلاس میں ہی حکومت کے سامنے مسلمانوں کے جداگانہ مطالبات بھی پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس سے بات پورے طور پر کھل کر سامنے آ گئی کہ مسلمانوں کا قوم پرست رکنے والا طبقہ کسی طرح بھی ہندوؤں کی بالادستی قبول کرنے پر تیار نہیں اور اس عمل کو مسلمانوں کی فطرت اور مذہب کے خلاف تصور کرتا ہے۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء کا یہ انداز فکر مسلمان حلقوں میں شب و روز مقبول ہوتا گیا

اور ساتھ ساتھ ایسے حالات و واقعات رونما ہوتے رہے جن کی بنا پر یہ بات واضح ہوتی گئی کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں ہیں اور ان کو ایک ہی قانون کے اندر رکھنے کی کوشش خانہ جنگی اور طبقاتی منافرت کو فروغ دے گی۔

قائداعظم محمد علی جناح جن کی سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس کے پلیٹ فارم سے ہوا اور جن کو ان کی امتیازی روی اداء ہندو مسلم اتحاد کے لئے بھرپور کوششوں کی بنا پر ۱۹۱۸ء میں سروجنی نائیڈو نے مسلم اتحاد کا سفیر لکھا تھا بیسویں صدی کی تیسرے عشرے میں اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خود ہندو ہیں اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ اس خطے میں مسلمان کوئی باوقار مقام حاصل کرسکیں۔ اس ضمن میں نہرو رپورٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور یہ بات پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی کہ کانگریس اور اسکی قیادت مسلمانوں کو کسی گنتی شمار میں لانا نہیں چاہتی، اسکا مطمع نظر صرف ہندوؤں کی بالادستی اور اقتدار ہے، جس کے لیے وہ ہر قسم کے اتحاد کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہی ہے۔

کانگریس کی اس سیاسی حکمت عملی کا احساس دیگر مسلمان رہنماؤں کو بھی شدت کے ساتھ ہو رہا تھا اسلئے دسمبر ۱۹۳۰ء میں پہلی مرتبہ شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا کہ "ہندوستان میں مغربی جمہوریت کے اصولوں کا مختلف ملتوں کے وجود کو تسلیم کئے بغیر اطلاق ممکن نہیں لہٰذا مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہندوستان میں ایک اسلامی ہندوستان قائم کیا جائے بالکل حق بجانب ہے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "میری ذاتی طور پر خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ضم کردیا جائے، خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرلے، خواہ اس کے باہر مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی"۔ ....

علامہ اقبالؒ کی یہ تجویز دراصل برصغیر کی سیاسی تاریخ کے ایک طویل مطالعہ اور تجزیہ کا نتیجہ تھی اور انہوں نے اپنی سیاسی بصیرت کی بنیاد پر یہ اندازہ لگالیا تھا کہ اس خطے میں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کی تشکیل مسلمہ ہے اور اس کے بغیر مسلم ثقافت اور روایات کا تحفظ ناممکن ہے۔ علامہ اقبال کی اس تجویز نے ہندوؤں سے مایوس مسلمانوں میں امید کی پیدا کردی اور

آل انڈیا سنی کانفرنس نے متحدہ قومیت کے علمبردار علماء کے کذب کا پردہ چاک کردیا۔

وہ سنجیدگی سے اس سمت میں غور و فکر کرنے لگے۔

بات صرف مسلم رہنماؤں تک ہی نہ تھی بلکہ اس صورتحال کا تجزیہ کرنے والے برطانوی مدبرین بھی اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ہندو اور مسلمان کا اس خطے میں ایک ہی آئین کے تحت رہنا ناممکن ہے، سر ریجنالڈ کریڈیک نے اپنی کتاب "دی ڈیلیما ان انڈیا" میں جو ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی اس خیال کا اظہار کیا کہ "اگر سویڈن اور ناروے ایک ملک نہیں رہ سکتے یا آسٹریا اور آئرش فری اسٹیٹ ایک ریاست کی حیثیت سے قائم نہیں رہ سکتے تو یہ توقع کس طرح کی جاسکتی ہے کہ ہندوستان کو جہاں مختلف مذاہب اور متضاد رنگ و نسل کی اقوام بڑے پیمانے پر موجود ہیں ایک خودکار اور جمہوری ضابطہ کے تحت پابند کردیا جائے"۔ اسی طرح جان کوٹ مین نے اپنی کتاب میں لکھا کہ "ہو سکتا ہے شمال اور شمال مغرب کا مسلم ہندوستان کسی وقت علیحدہ مسلم ریاست یا مسلم سلطنت کے ایک حصہ کی حیثیت اختیار کرلے"۔

بیسویں صدی کے چوتھے عشرے میں یہ تصور بہت عام ہوگیا حتیٰ کہ ۱۹۳۳ء کے اوائل میں ہی کیمرج میں زیر تعلیم ایک ہندوستانی طالب علم چوہدری رحمت علی نے "اب یا کبھی نہیں" نامی ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں علامہ اقبال کے تصور کی بنیاد پر کہا گیا تھا کہ "ہندوستان کے شمال مغربی صوبوں (پنجاب، شمال مغربی صوبہ سرحد، کشمیر، سندھ اور بلوچستان) کی مجموعی چار کروڑ آبادی کا تین فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور ان کا مذہب اور ثقافت، تاریخ اور روایات، اقتصادی نظام اور سماجی ضابطے، وراثت اور شادی بیاہ کے قوانین ان تمام افراد سے مختلف ہیں جو ہندوستان میں مقیم ہیں"۔ چوہدری رحمت علی نے ان صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ وفاق کا مطالبہ کیا اور وفاق کے لئے "پاکستان" کا لفظ وضع کیا۔

چوہدری رحمت علی کے بعد دوسری مرتبہ کے تحت مسلم مفادات کے تحفظ کے لئے جن مسلمانوں نے علیحدہ وطن کی مختلف تجاویز پیش کیں ان میں دکن کے ۱۹۳۸ء سید عبداللطیف، سندھ کے سر عبداللہ ہارون، لکھنؤ کے خلیق الزمان، سید ظفر الحسن، پنجاب کے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات خان، پنجاب کے میاں کفایت علی اور علیگڑھ یونیورسٹی کے ظفر الحسن اور افضال حسین قادری کی تجاویز سرفہرست ہیں۔ اس سلسلے کی اہم کڑی اکتوبر ۱۹۳۸ء میں سندھ صوبائی مسلم لیگ کے اجلاس میں پیش کیا جانیوالا قرارداد ہے جس میں پہلی مرتبہ تقسیم ہند کا مطالبہ کیا گیا تھا اس قرارداد کے بارے میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے کہ "مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کے مسلمانوں کو اس قرارداد کے ذریعہ پہلی مرتبہ ایک الگ قوم کی حیثیت سے پیش کیا گیا، پہلی مرتبہ مسلم لیگ نے ہندوستان کے مسلمانوں کے حق خود ارادیت کے لئے گفتگو کا آغاز کیا۔ پہلی مرتبہ مسلم لیگ نے ہندوستان کے لئے ایک ایسے آئین کا مطالبہ کیا جس کے تحت مسلمان مکمل آزادی حاصل کرسکیں"۔

مسلمانوں کے اس انداز فکر کو مزید تقویت دراصل اسوقت حاصل ہوئی جب ۱۹۳۷ء کے عام انتخابات کے بعد کانگریس نے ہندو اکثریتی صوبوں میں مسلم نمائندوں کو نظرانداز کرتے ہوئے وزارتیں قائم کیں اور ایسے پروگرام اور پالیسیاں وضع کیں جن کا مقصد مسلمانوں کی قومی شناخت کو ختم کرکے ہندو قومیت میں ضم کرنا اور انکو تابع محض بنا کر رکھنا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اکتوبر ۱۹۳۷ء کے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ لکھنؤ میں اس صورتحال کا سختی سے نوٹس لیا اور نہایت واشگاف الفاظ میں کہا کہ "کانگریس بنیادی طور پر ایک ہندو تنظیم ہے اور اس کا مظاہرہ کانگریس کے رہنماؤں نے اپنے قول اور اپنے پروگرام سے کردیا ہے۔ اکثریتی فرقہ کو اقتدار و ذمہ داری جب سے ملی ہے اس نے یہ ثبوت فراہم کیا کہ "ہندوستان ہندوؤں کے لئے ہے"۔

اس سے قبل ستمبر ۱۹۳۷ء میں جب نہرو نے علی گڑھ میں ایک تقریر کے دوران کہا کہ ہندوستان میں صرف دو جماعتیں ہیں ایک کانگریس اور دوسری برطانوی حکومت تو اس بیان پر مسلم لیگ کے رہنماؤں نے ۱۹۳۷ء کے مجوزہ انتخابات کے پیش نظر خاموشی اختیار رکھی لیکن انتخابات کے بعد جب نہرو نے ایک مرتبہ پھر اپنے اس موقف کا اعادہ کیا تو

شیواجی سے لیکر گاندھی تک ہر ہندو کی نظر میں مسلمانوں کا علیحدہ تشخص ایک ناقابل معافی جرم تھا۔

قائداعظم نے نہایت ترش اور پر اعتماد لہجے میں کہا کہ "یہاں ایک تیسری جماعت بھی موجود ہے جس کا نام "مسلمان" ہے ہم کسی کے تابع نہیں ہیں اور نہ ہم کسی کے خیمہ بردار بننے پر کسی طرح آمادہ ہو سکتے ہیں"۔

ایک اور مرحلہ پر پنڈت جواہر لال نہرو نے یہ کہا کہ ہندوستان میں نام نہاد فرقہ وارانہ مسائل دراصل تیسری جماعت کی پیداوار ہیں حقیقی مسئلہ دراصل اقتصادی ہے جو تمام فرقوں کو درپیش ہے اور جو صرف سوشلسٹ طریقہ کار سے حل ہو سکتا ہے" نہرو کے اس بیان کی طرف علامہ اقبال نے قائداعظم محمد علی جناح کی توجہ مبذول کرائی اور لکھا کہ "جواہر لال نہرو کی منکر خدا اشتراکیت مسلمانوں پر اثر انداز نہیں ہو سکے گی لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو افلاس سے کیونکر نجات دلائی جا سکتی ہے... خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اس کا حل موجود ہے۔ اور فقہ اسلامی کا مطالعہ مقتضیات حاضرہ کے پیش نظر دوسرے مسائل کا حل بھی پیش کر سکتا ہے... اسلامی ہندوستان میں ان مسائل کا حل بآسانی رائج کرنے کے لئے ملک کی تقسیم کے ذریعے ایک یا زائد اسلامی ریاستوں کا قیام اشد ضروری ہے"۔

کانگریسی وزارتوں نے مسلمان اقلیتوں کے ساتھ نہایت کریہہ سلوک روا رکھا جس کے پیش نظر مسلم لیگ نے ایک آٹھ رکنی تحقیقاتی کمیٹی راجہ سید محمد مہدی آف پیرپور کی نگرانی میں قائم کی اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں جو بعد میں "پیرپور رپورٹ" کے نام سے معروف ہوئی لکھا کہ تقریباً ہر ہندو سوراج کو رام راج اور کانگریسی حکومت کو ہندو حکومت تصور کرتا ہے کانگریس کے اراکین کی ایک بڑی تعداد ہندوؤں پر مشتمل ہے جو مسلمانوں اور برطانیہ کی طویل حکمرانی کے بعد خالصتاً ہندو راج کے قیام کے خواب دیکھ رہی ہے"۔ اس تمام صورتحال نے قائداعظم محمد علی جناح کے سیاسی انداز فکر کی تبدیلی میں نمایاں کردار ادا کیا اور انہوں نے ایک مرحلہ پر یعنی اکتوبر ۱۹۳۹ء میں وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کے اس استفسار پر کہ "ہندوستان کیسے حکومت خود اختیاری حاصل کر سکتا ہے واضح طور پر کہہ دیا کہ مجھے اس لاینحل مسئلہ سے نجات کی صرف یہی صورت نظر آتی ہے کہ ملک کی تقسیم کی اسکیم کو قبول کر لیا جائے"۔

قائداعظم نے ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لاہور میں اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ "اسلام اور ہندومت اپنے لفظی معنی میں صرف مذاہب ہی نہیں بلکہ یہ دو مختلف اور مخصوص سماجی نظام بھی ہیں اور یہ ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک مشترکہ قومیت کی حیثیت سے ابھر سکیں گے ایک ہندوستانی قوم کی غلط فہمی حدود سے تجاوز کر چکی ہے اور یہی ہماری بیشتر مشکلات کا سبب ہے۔ اگر ہم نے بروقت اپنے خیالات پر نظر ثانی نہیں کی تو یہ غلط فہمی ہندوستان کو تباہ و برباد کر دے گی، ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف مذہبی فلسفوں، معاشرتی رسم و روایات اور ادبیات سے ہے، نہ ان کے درمیان شادیاں ہوتی ہیں اور نہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں دو ایسی تہذیبوں کے پیروکار ہیں جن کی بنیاد متصادم خیالات اور تصورات پر ہے... لہذا دو ایسی قوموں کو ایک ریاست میں جکڑ دینے کا نتیجہ کہ ان میں ایک اکثریت میں ہو اور دوسری اقلیت لامحالہ یہ ہوگا کہ ان میں بے چینی بڑھے گی اور بالآخر تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا"۔

لاہور کے اسی تاریخی اجلاس میں علامہ اقبال کا خواب پورا ہوا اور ہندوستان کے آئینی مسائل کے حل کے لئے ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں مسلمانان برصغیر کے لئے ایک علیحدہ وطن کا بڑے واضح الفاظ میں مطالبہ کیا گیا اور یہی قرارداد بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے زبان زد خاص و عام ہوئی ایک ایسی ریاست کا قیام جس میں مسلمان اسلامی اصولوں اور اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں قرارداد پاکستان کی روح تھی چنانچہ اسی قرارداد نے ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام تر توجہ اپنی جانب مبذول کر لی اور لوگ جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے اس کے برخلاف ہندوؤں کا ردعمل شدید مخالفانہ تھا، انہوں نے اس قرارداد سے مسلمانوں کو متنفر کرنے کے لئے طرح طرح کی تاویلات کرنا شروع کر دیں، خود گاندھی نے ۶ اپریل ۱۹۴۰ء کو اپنے اخبار "ہریجن" میں لکھا "مسلمانوں کا ادراک اور ذاتی مفادات کا شعور ہمیشہ ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے روکے گا۔ ان کا مذہب بھی ایسی واضح خودکشی سے جس کی تقسیم دلالت کرتی ہے ممانعت کرتا ہے، دو قومی نظریہ غیر حقیقی ہے"۔

اگر ہندوستان کی فرقہ وارانہ صورتحال کے تناظر میں حالات و واقعات کا جائزہ لیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ شیواجی سے لیکر گاندھی جی تک ہر ہندو کی نظر میں مسلمانوں کا علیحدہ تشخص اور ان کی اقتدار میں شمولیت ایک ناقابل معافی جرم کی صورت تھی وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہے کہ مسلمان دو قومی نظریے سے دستبردار ہو جائیں جو علیحدہ وطن کے قیام کی اساس و بنیاد ہے۔ لیکن ان کے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے اور مسلمانان برصغیر نے قائداعظم محمد علی جناح کی غیر متزلزل قیادت اور دو قومی نظریہ کی روشنی میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنی امنگوں اور آرزوؤں کے عین مطابق مملکت خداداد پاکستان حاصل کر لی اور نہ صرف کانگریس بلکہ پوری دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ مسلمان اپنی ثقافت، روایات اور مذہبی اقدار کے تحفظ کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ (پاکستان پائندہ باد)

خانیوال میں کشمیریوں سے اظہار یکجہتی

خانیوال میں ملک کے دیگر حصوں کی طرح خانیوال میں بھی کشمیری بھائیوں سے یک جہتی کے اظہار اور بھارتی حکومت کی جانب سے مقبوضہ کشمیر کے عوام پر ظلم و بربریت کے خلاف احتجاج کے طور پر منایا گیا۔ جماعت اہل سنت اور سنی فورس کے سینکڑوں جوانوں نے جلوس نکالا اور مظاہرہ کیا۔ مظاہرین بینرز اور پلے کارڈ اٹھائے ہوئے تھے جن پر لکھا تھا۔ کشمیر بنے گا پاکستان، چوک سنگلا نوالہ میں ایک زبردست جلسہ کیا گیا جس میں امیر خانیوال صوفی عبدالحق رضوی، حاجی محمد زکی، الحاج عبدالرؤف قریشی سیکرٹری جنرل جماعت اہل سنت خانیوال ڈاکٹر محمد سلیم، شیخ محمد صدیق کونسلر، اکبر حسین ٹھیکیدار الیاس شیخ نے تقاریر کیں آخر میں صوفی عبدالحق رضوی نے دعا کرائی۔

ہندوؤں سے علیحدگی ناگزیر ہے

تقسیمِ ہند کے سلسلے میں

مولانا نعیم الدین مُرادآبادی کی ایک تجویز

طبقۂ علماء میں السواد الاعظم کے ایڈیٹر ممتاز عالم دین آل انڈیا سنی کانفرنس کے بانی مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (۱۸۹۳ء-۱۹۴۸ء) پہلے شخص تھے جنہوں نے لیگ کے اجلاس الہ آباد میں علامہ اقبال کی جانب سے پیش کیے جانے والے "علیحدہ مسلم وطن" کے تصور کی تائید و حمایت کی تھی۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اپنے رسالہ "السواد الاعظم" کے اداریہ میں علامہ اقبال کی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ "ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے، ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار اور دوسرا مسلمانوں کے۔ ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا یہ ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی —؟ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا تو ہندوؤں کو بھی اس نسبت سے نفع ملتا تھا۔ کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برانگیختہ کرتی رہی اور انہیں اس میں اپنا کیا خطرہ نظر آیا بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بقاء کی ایک صورت اس میں نظر آتی تھی اور انہیں تھوڑا سا اقتدار ملا جاتا تھا۔ اس کو تو کون جانتا ہے کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور کرے گا اور مستقبل کیا صورتیں سامنے لائے گا لیکن ہنود اس وقت ایسی خالی بات بھی لاکر زبان سے نکلنے کو تیار نہیں ہیں جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو۔

اس حالت میں بھی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے تو اس پر ہزار افسوس۔ کاش اس وقت یہ حضرات خاموش ہو جائیں اور کام کرنے والوں کو کام کر لینے دیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک مطالبہ ہو اور ایک آواز۔ گو اس میں اندیشہ ہے کہ بعض صاحبوں کی لیڈری اور پیشوائی کا علم بلند ہونے سے رہ جائے گا مگر وہ اپنی اس خواہش کو کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھیں (۱)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے علامہ اقبال کی تجویز کی تائید کے تقریباً ایک سال بعد جبکہ لندن میں گول میز کانفرنسیں جاری تھیں اپنے ایک اداریہ میں دو قومی نظریہ کی روشنی میں ہندو مسلم مناقشات کا حل تجویز کرتے ہوئے لکھا کہ۔

" جب ہندو اپنی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کر لیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور ان کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہئے۔ دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اسی نکتہ کو ملحوظ رکھکر سیاسی قباحت کو طے کر لیں یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقہ میں اسی علاقہ والوں کی حکومت ہو۔ مسلم علاقہ مسلمانوں کی اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی (۲)"

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنی علماء نے مسلم لیگ کی حمایت اور مطالبہ پاکستان کی مقبولیت میں اہم کردار ادا کیا خصوصاً مولانا عبدالحامد بدایونی، اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ مولانا برہان الحق جبلپوری، مولانا حسین میاں پھلواری، مولانا عبدالوہاب فرنگی محلی، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا قمر الدین سیالوی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، اور پیر جماعت علی شاہ علی پوری نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اور ۱۹۴۶ء میں بنارس کے مقام پر آل انڈیا سنی کانفرنس میں پاکستان کی حمایت کرکے متحدہ قومیت کے علمبردار علماء کے کذب کا پردہ چاک کر دیا۔

سنی علماء نے مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان کی مقبولیت میں اہم کردار ادا کیا۔

علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت

علیحدہ مسلم وطن کے تصور کا ارتقاء

شاعر مشرق علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الہ آباد میں پہلی مرتبہ برصغیر میں ایک علیحدہ مسلم وطن کے قیام کا تصور پیش کیا تھا لیکن وہ ابتداء سے ہی ہندو مسلم صورتحال اور اس کے نتائج پر غور کر رہے تھے۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۳ء کو سلطنت آصفیہ حیدرآباد دکن کے وزیراعظم مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام ایک خط میں علامہ اقبال نے لکھا کہ "افسوس ہے کہ پنجاب میں ہندو مسلمان کی رقابت بلکہ عداوت بہت ترقی پر ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آئندہ تیس ۳۰ سال میں دونوں قوموں کیلئے زندگی گذار مشکل ہو جائے گی۔

" حضرات! گذشتہ تین چار سال سے ہم کو جو مشاہدات و تجربات حاصل ہو رہے ہیں۔ وہ نہایت مفید اور نتیجہ خیز ہیں۔ ہم کو جو باتیں اپنے برادران وطن کے متعلق قیاسی طور پر معلوم تھیں اب وہ یقینی طور پر ہمارے علم میں آگئیں۔

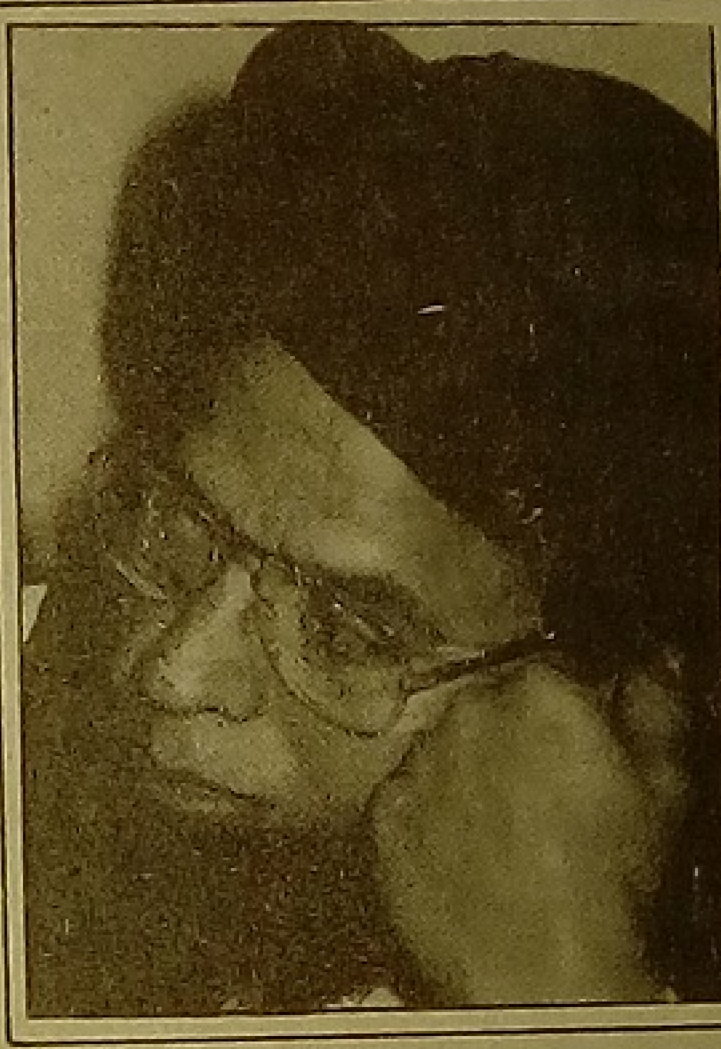
" میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ آج سے نصف صدی قبل سرسید احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کے لئے جو راہ عمل قائم کی تھی۔ وہ صحیح تھی اور تلخ تجربوں کے بعد ہمیں اس راہِ عمل کی اہمیت محسوس ہو رہی ہے۔

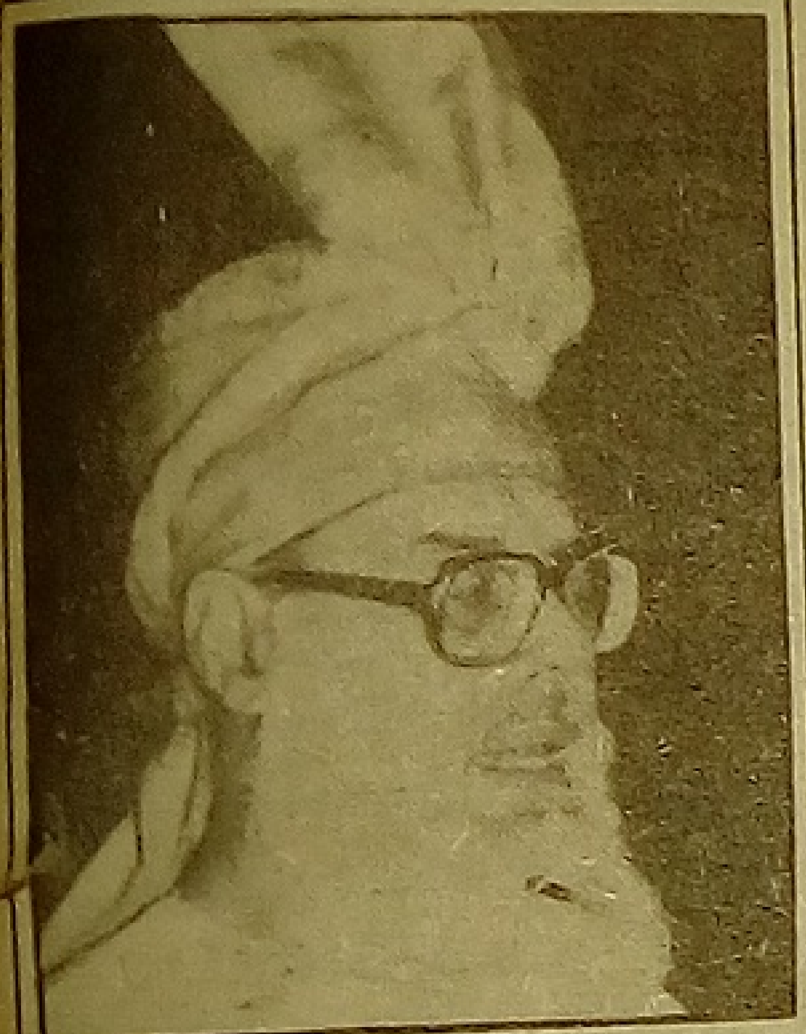
" حضرات! آج میں نہایت صاف لفظوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں بحیثیت مسلمان ہونے کے زندہ رہنا ہے تو ان کو جلد از جلد اپنی اصلاح و ترقی کے لئے سعی و کوشش کرنی چاہئیے۔ اور جلد از جلد ایک علیحدہ پولیٹیکل پروگرام بنانا چاہئیے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں بعض حصے ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور بعض حصے ایسے ہیں جن میں وہ قلیل تعداد میں ہیں۔ ان حالات میں ہم کو علیحدہ طور پر ایک پولیٹیکل پروگرام بنانے کی ضرورت ہے۔ اس کی صحت کیلئے میرے پاس ایک مذہبی دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمارے آقائے نامدار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کا اجتماع کبھی گمراہی پر نہ ہوگا۔

نذر خان نیازی (میانوالی)

پیر پگارا کی سیاست دوبارہ لوٹ دیکھئے

عبدالستار خان نیازی نے آئی جے آئی سے "سودے بازی" کی اور شیر افگن نے پیپلز پارٹی سے "وزارت پارلیمانی امور" وصول کی۔





> ملک کی تمام سیاسی جماعتیں کسی نہ کسی مقام پر ضرور انتشار کا شکار ہوئیں۔

پاکستان کے سیاسی حالات جس تیزی سے تبدیل ہوتے رہے ہیں اس کا ادراک سوائے چند بزرگ سیاستدانوں کے شاید ہی کوئی کر سکتا ہو۔ نوابزادہ نصراللہ خان، ملک قاسم سردار شیر باز خان مزاری، ملک معراج خالد، مولانا شاہ احمد نورانی، پیر صاحب پگارا اور ایئر مارشل اصغر خان ان حالات کو سمجھنے اور حالات کی تبدیلی کا اندازہ نئے سیاستدانوں سے زیادہ بہتر اور مربوط انداز میں کر لیتے ہیں۔ یہ تمام سیاستدان سیاسی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے اپنے تمام ساتھی سیاستدانوں پر فوقیت رکھتے ہیں گو کہ ان سیاسی بزرگوں کو لسانی اور گروہی تنظیموں سے نقصان پہنچا پھر بھی ان کے بیانات اور نظریۂ زیادہ تر پاکستان اور تحریک پاکستان کی عکاسی کرتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ سوائے پیر صاحب پگارا کے کہ جن کے اصول بدلتے رہتے ہیں ہمارے یہ تمام سیاستدان سیاسی اکھاڑے میں ڈٹے ہوئے ہیں اور غیر نظری اور جذباتی نعرے لگانے والی جماعتیں ان حضرات کی دو ٹوک اور بااصول سیاست پر نالاں ناخوش اور خوف زدہ ہیں اور اکثر ان کے جلسوں پر دہشت گردوں کے ذریعہ فائرنگ کراتے رہتے ہیں۔

پاکستان میں موجود تمام سیاسی قائدین اور ان کی جماعتیں اپنے سیاسی سفر میں کسی نہ کسی مقام پر ضرور انتشار کا شکار ہوئی ہیں۔ اور اگر ایک طرف اصول ہوں اور دوسری طرف مفاد پرستی تو یقیناً سیاسی جماعتوں میں ٹوٹ پھوٹ لازمی ہو جاتی ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران مسلم جماعتوں کے درمیان ہمیشہ سے اختلافات چلے آ رہے تھے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی واحد مضبوط سیاسی تنظیم یعنی مسلم لیگ کبھی اپنے اندرونی انتشار پر قابو نہ پا سکی اور دو حصوں میں بٹ گئی۔ سائمن کمیشن کی ہندوستان آمد پر کانگریس نے اس کا مکمل بائیکاٹ کیا کیونکہ اس کمیشن کے تمام اراکین انگریز تھے اور ہندوستانیوں کی نمائندگی صفر تھی قائداعظم محمد علی جناح ہمیشہ وہی راہ اپناتے رہے ہیں جو خالصتاً جمہوری ہو اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بھی تمام مسلم لیگی اور دیگر مسلم قائدین سے اپیل کی کہ وہ اس کمیشن کا بائیکاٹ کریں قائداعظم اس وقت مسلم لیگ کے صدر تھے اور ان کے اس فیصلے کو تمام مسلم لیگی قائدین نے تسلیم کیا لیکن پنجاب کے سر محمد شفیع نے سائمن کمیشن سے اشتراک کا ارادہ کر لیا تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے اجلاس بھی بلا لیا اور کمیشن سے تعاون کی قرارداد منظور کروائی۔ اس خود سری اور خالصتاً غیر آئینی اقدام نے مسلم لیگ کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ قائداعظم کو اس اقدام سے سخت دھچکا پہنچا اور بالآخر مسلم لیگ کے اندرونی اختلافات سے تنگ آ کر قائداعظم نے ہندوستان اور سیاست دونوں کو خیرباد کہا اور انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

> "مفاد پرستی" سے سیاسی جماعتوں میں ٹوٹ پھوٹ لازمی ہو جاتی ہے۔

قائداعظم کی سیاست سے علیحدگی کے بعد کانگریس نے مسلم لیگ کو شاطرانہ اور مکارانہ چالیں اپناتے ہوئے ایک ذیلی تنظیم بنا کر رکھ دیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا تقریباً ہر مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ یہ تو مسلمانوں کے لئے باعث رحمت ہوا کہ لیاقت علی خان کی درخواست پر قائداعظم نے اپنی خود ساختہ سیاسی جلاوطنی ختم کی اور مسلمان عوام کی قیادت دوبارہ سنبھال لی ورنہ آج ہماری داستان تک نہ ہوتی داستانوں میں۔

پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ ایک بار پھر انتشار

ضلع میانوالی اور جمعیت علماء پاکستان پہلے بھی مظلوم تھے اور آج بھی ہیں

کا شکار ہو گئی۔ نوابزادہ لیاقت علی خان کے خلاف نواب افتخار حسین ممدوٹ صف آراء ہو گئے۔ انہوں نے بھی پنجاب میں اپنی الگ لیگ بنالی اور سر محمد شفیع کی حماقت کو دہرایا۔ نوجوان مسلم لیگی عبدالستار خان نیازی بھی افتخار حسین ممدوٹ کے گروپ میں شامل ہو گیا اور ان تمام افراد نے مرکزی مسلم لیگ سے بغاوت کر دی۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکمران پارٹی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور اس کا اصل وجود ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

مسلم لیگ کے زوال کے باعث ان تمام جماعتوں کو ہمارے اس معاشرے میں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ جو تحریک پاکستان کی ہمیشہ دشمن رہی ہیں۔ جمعیت علماء اسلام (مفتی محمود گروپ)، جماعت اسلامی، نیپ اور دیگر علاقائی اور لسانی جماعتوں نے سیاست کا بیڑا غرق کر دیا اور چار و ناچار فوج کو مداخلت کرنی پڑی۔ اس کے علاوہ تمام افراد جو مسلم لیگ کو بکھیرنے کے ذمہ دار تھے رفتہ رفتہ منظر عام سے ہٹتے چلے گئے اور عوام نے ان کی ہوس اقتدار کو بھانپتے ہوئے انہیں مسترد کر دیا۔ سر محمد شفیع پاکستان بننے سے پہلے ہی منظر عام سے غائب ہو گئے۔ علامہ اقبالؒ جنہوں نے سر محمد شفیع کا ساتھ دیا تھا دوبارہ قائداعظمؒ کے کیمپ میں شامل ہو گئے اور انہوں نے قائدؒ کو اپنا رہنما تسلیم کیا۔ نواب ممدوٹ، ممتاز دولتانہ اور عبدالستار نیازی سمیت وہ چند افراد جو مسلم لیگ میں تفرقہ پھیلانے کے ذمہ دار تھے گمنامی کی گہرائیوں میں گرتے چلے گئے۔ دولتانہ صاحب ۱۹۷۰ء کا الیکشن مسلم لیگ کے ٹکٹ پر جیتے لیکن ان کی اسمبلی میں حیثیت نہ ہونے کے برابر رہی۔ ذوالفقار علی بھٹو، خان عبدالولی خان، شاہ احمد نورانی اور مفتی محمود کے سامنے وہ سیاسی بونے نظر آتے ہیں۔ جلد ہی انہوں نے سیاست سے سفارت کا رخ کر لیا۔ اور اپنی گرتی ہوئی سیاسی ساکھ کو تسلیم کر لیا۔ یہ تھا اس شخص کا انجام جو پنجاب کا مضبوط ترین وزیر اعلیٰ تصور کیا جاتا تھا اور لیاقت علی خان کے بعد مستقبل کا وزیر اعظم بن سکتا تھا۔ لیکن سازش، غیر سیاسی ہتھکنڈوں اور اقتدار کی ہوس نے اس سیاستدان کو ہمیشہ کے لئے اقتدار سے محروم کر دیا۔

مولانا عبدالستار خان نیازی نے پنجاب کی حد تک تحریک پاکستان [illegible] لیا تھا ان کی جڑیں اپنے ضلع میانوالی میں کافی مضبوط تھیں لیکن انہوں نے لیاقت علی خان کی مرکزی قیادت کے خلاف صوبائی قیادت کا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں انہیں سیاسی شکست کے سوا کچھ نہ ملا۔ ۱۹۵۱ء کے بعد وہ اپنی مقامی سیٹ سے بھی منتخب نہ ہو پائے۔ ایوب خان کے بی ڈی الیکشن کا انہوں نے بائیکاٹ کرنے کے بجائے ساتھ دیا لیکن وہ معمولی امیدوار سے ہار گئے۔ ۱۹۷۰ء میں وہ جے۔ یو۔ پی کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے لیکن اسمبلی کی شکل نہ دیکھ پائے۔ ۱۹۷۷ء میں وہ دوبارہ جمعیت علماء پاکستان کی سیٹ پر اپنے آبائی ضلع میانوالی سے کھڑے ہوئے لیکن عوام نے شاید ان کو اب تک معاف نہ کیا تھا کیونکہ تحریک نظام مصطفےٰؐ کے دوران جے۔ یو۔ پی کے اکثر امیدوار کامیاب ہو گئے لیکن نیازی صاحب یہ الیکشن بھی ہار گئے۔

جمعیت علماء پاکستان نے نیازی صاحب کی ناکامیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں وہی عزت اور وقار عطا کیا جو ایک منتخب جنرل سیکرٹری کو دیا جاتا ہے۔ وہ مرکزی مجلس عاملہ اور شوریٰ کے رکن بھی رہے اور ان کی سیاسی سوجھ بوجھ کو اتنی ہی اہمیت دی جاتی رہی جتنی صدر اور دیگر عہدیداران کے حصے میں آتی تھی لیکن نیازی صاحب نے جمعیت سے دغا کی۔ وہ موقع کا انتظار کرتے رہے اور ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں آئی۔ جے۔ آئی سے ساز باز کرنے میں کامیاب ہو گئے اور نواز شریف کا احسان لیتے ہوئے انہوں نے نواب صاحب پر دباؤ ڈالا کہ وہ انتخابات میں حصہ نہ لیں۔ نتیجہ ظاہر ہے نیازی صاحب کے حق میں نکلا اور وہ ۲۰۔۲۵ سال کے انتظار کے بعد دوبارہ اسمبلی میں پہنچ گئے۔ جمعیت کو جہاں نورانی میاں کے ہارنے کا غم تھا وہاں نیازی صاحب کے جیتنے کی خوشی بھی تھی لیکن یہ مسرت جلد ہی ختم ہو گئی جب نیازی صاحب نے جے یو پی کی شوریٰ اور عاملہ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور "یہ پٹھان اکیلا ہی لڑے گا" کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے برسوں سے چھپے ہوئے عزائم کو بے نقاب کر دیا۔

مولانا عبدالستار خان نیازی کا نشانہ اس مرتبہ نوابزادہ لیاقت علی خان نہیں بلکہ شاہ احمد نورانی تھے۔ نیازی صاحب نے سر محمد شفیع کی یاد تازہ کر دی ہے جنہوں نے اپنے قائد سے بغاوت کر کے مفاد پرستوں کا ساتھ دیا تھا۔ آج مولانا نیازی بھی وہی کر رہے ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ نیازی صاحب سنی عوام کے نمائندہ ہوتے ہوئے "جماعت اسلامی" اور "تکبیر" جیسے اداروں اور رسالوں کے ذریعے اہلسنت والجماعت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ سنی دشمن اور جمہوریت کش قوتیں جے۔ یو۔ پی کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ مولانا نیازی اس با اصول جماعت کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ نیازیوں کا کام صرف دو ٹکڑے کرنا ہے۔ کل جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کی "بزدلی" نے پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے اور آج مولانا عبدالستار خان نیازی کی "سودے بازی" نے جمعیت علماء پاکستان کو تقسیم کر دیا ہے۔

آنے والے وقت کے دوران یہ فیصلہ ضلع میانوالی کے عوام کو کرنا ہے کہ کیا ان کے منتخب نمائندوں نے ان کے ووٹ کا حق ادا کر دیا یا نہیں۔ مولانا عبدالستار نیازی ہوں یا ڈاکٹر شیر افگن۔ دونوں حضرات جس پارٹی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے اسی کا حق ادا نہ کر سکے تو عوام کیا امید کر سکتے ہیں۔ نیازی صاحب آئی۔ جے۔ آئی (خصوصاً جماعت اسلامی) سے "سودے بازی" کر چکے ہیں اور شیر افگن پیپلز پارٹی سے "وزارت پارلیمانی" وصول کر چکے ہیں۔ دونوں کا مقصد پورا ہو گیا۔ ضلع میانوالی اور جمعیت علماء پاکستان پہلے بھی مظلوم تھے اور آج بھی مظلوم ہیں۔

نپولین

مرسلہ، عارف بیگ۔ کراچی

نپولین کو فرانس سے باہر رہنے کے دوران جب یہ معلوم ہوا کہ فرانس داخلی بغاوت اور انتشار کا شکار ہو چکا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص حکمران بن چکا ہے تو وہ اپنی فوج کے ساتھ فرانس واپس ہوا۔ جب اس کی فرانس واپسی کی خبر مشہور ہوئی تو فرانس کے اخباروں نے اس خبر کو اس سرخی کے ساتھ شائع کیا۔ "وحشی درندہ پھر فرانس کی سمت بڑھ رہا ہے۔"

جب نپولین فرانس کی سرحدوں کے قریب پہنچا تو اخباروں نے یہ سرخی لگائی "قاتل فرانس کی طرف پیشقدمی کر رہا ہے" جب وہ فرانس میں داخل ہو گیا تو اخباروں کی نمایاں سرخی یہ تھی "نپولین بوناپارٹ فرانس میں داخل ہو چکا ہے" اور جب نپولین صدر مقام سے چند میل دور رہ گیا تو اخبارات کی شہ سرخی یہ تھی۔

"عالی مرتبت، جہاں پناہ، شہنشاہ فرانس کل پیرس میں جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔"

نظریہ پاکستان کے لیے قائداعظم کی قلمی کاوشیں

محمد علی جناح کا وہ پیغام جو انہوں نے بمبئی پریسیڈنسی مسلم لیگ کانفرنس ہبلی منعقدہ ۲۶ و ۲۷ مئی ۱۹۴۰ء کے نام بھیجا اور وہاں پڑھا گیا

مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں بمبئی پریسیڈنسی کی پراونشل مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت نہیں کر سکتا۔ یقین مانیے اگر ممکن ہو سکتا تو میں ضرور شریک ہوتا۔ بظاہر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ میں ایک دو دن کے لئے تو آ سکتا ہوں اور یہ کہ میں آنے سے جی چرا رہا ہوں مگر مجھے امید ہے کہ آپ میرا یہ عذر قبول فرمائیں گے کہ میں ناگزیر اسباب کی بناء پر یہ سفر اختیار نہیں کر سکتا مگر میرا دل، میری روح آپ کے ساتھ ہے۔ میں کانفرنس کی کامیابی کا دل و جان سے متمنی ہوں۔

کارکنان کانفرنس اور تمام حضرات کا میں ممنون احسان ہوں کہ وہ میری شرکت کے خواہشمند ہیں جس محبت اور عنایت کا انہوں نے میرے بارے میں اظہار فرمایا اس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ راجہ صاحب محمود آباد کی صدارت اور رہنمائی میں اور دیگر رہنمایان قوم کی امداد سے یہ کانفرنس پوری طرح کامیاب ہوگی۔

جنوبی ڈویژن کے مسلمانوں کی خدمت میں میں چند الفاظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مسلمانان ہندوستان کی مسلم لیگ نے صحیح رہنمائی کی ہے۔ اس نے مسلمانوں کو ایک پرچم، ایک پلیٹ فارم، ایک سوچا سمجھا ہوا لائحہ عمل، اور ایک پالیسی دی ہے اور بالآخر گزشتہ مارچ میں لاہور کا رزولیوشن پاس کر کے اس نے مسلمانوں کے سامنے ایک معین نصب العین اور ایک صحیح مطمح نظر پیش کر دیا ہے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو جدوجہد کرنی چاہیئے اس کے لئے انہیں قربانیاں کرنی چاہئیں۔ کیونکہ ان کی نجات اسی مقصد کے حصول سے وابستہ ہے۔

مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا انگریز لاہور رزولیوشن کے بنیادی اصول سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے شمال و مغرب و شمال و مشرق کے علاقوں میں آزاد مسلم حکومتیں قائم کر دی جائیں وہ اتفاق کریں یا نہ کریں ہم اس کے لئے آخری قطرۂ خون تک لڑیں گے۔ آخری خندق تک لڑیں گے۔

مجھے علم ہے کہ انگلستان کے سیاست دان انگلستان کے اخبارات اور پبلک سب اسی خیال کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں کہ ہندوستان ایک ہے اور وہاں کی قوموں میں اتحاد ہو جائے گا مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے کو دھوکا دے رہے ہیں اور اصلیت سے بالکل بے خبر ہیں۔ مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ جب ہم اس گمراہ کن پروپیگنڈا کو جو ہمارے خلاف کیا جا رہا ہے برطرف کر دیں گے اور جس مغالطہ میں برٹش پبلک اس وقت مبتلا ہے اسے رفع کر دیں گے تو وہ پبلک جو حقیقت میں سمجھ رکھتی ہے اور برٹش گورنمنٹ اور برٹش سیاست داں جو اہم امور کو مدبرانہ طریقہ سے فیصل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے ہماری خواہشات کو پورا کرنے سے گریز نہ کرے گی۔ وہ ایسے بطئی الفہم نہیں کہ معاملات کی تہ کو نہ پہنچ سکیں۔ اگر مسلمانان ہندوستان اتحاد کامل اور عزم کامل کے ساتھ ان غلط فہمیوں کو جو ہمارے خلاف عمداً آئندہ کی جا رہی ہیں دور کرنے کی ایک قومی پروپیگنڈہ کے ذریعہ سے کوشش کریں گے تو ہم یقیناً کامیاب ہوں گے۔

کانگریس ہائی کمانڈ جس اتحاد کے تخیل کو لے بیٹھی ہے اس کا وعظ کرتا پھرتا ہے۔ وہ محض خود غرضی کی بناء پر ہے اور ایک ذلیل چال ہے سوچ کر اور حسب منشا کر یہ چال چلی گئی ہے کہ انگریز ہندوستان کے اصلی حالات سے ناواقف ہیں بنا بریں اس ناواقفیت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

واقعہ یہ ہے کہ کانگریس ہائی کمانڈ یہ چاہتی ہے کہ اس ملک میں ہندو راج قائم ہو اور اس راج کے قائم کرنے میں انگریزوں کی فوجی قوت مدد دے مگر یہ کبھی خیال میں بھی نہیں آسکتا کہ انگریز اپنی فوجی قوت کی مدد مسلمانوں کو زیر کرنے کیلئے کانگریس کے ہائی کمانڈ کو دیں گے۔ کانگریس ایک جوا کھیلنا چاہتی ہے کہ شاید پانسہ ٹھیک پڑ گیا تو کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ مگر اسے یقیناً ناکامی ہوگی اور اس معاملہ میں بہت بڑی حد تک انہیں پہلے ہی ناامیدی ہو چکی ہے اور ان کی امیدوں پر پانی پڑ گیا ہے۔

حیرت ہے کہ مسٹر گاندھی اور گوپال اچاریہ جیسی ہستیاں لاہور کے رزولیوشن کے متعلق الفاظ میں ذکر کریں۔ "ہندوستان کو جیتے جی ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہے۔" "بچے کے دو ٹکڑے کیے جا رہے ہیں۔" قدرت نے پہلے ہی سے ہندوستان منقسم کر رکھا ہے اور اس کے حصے علیحدہ علیحدہ ہیں ہندوستان کے نقشے پر مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان پہلے ہی سے موجود ہیں۔ نہ معلوم اس کے متعلق اتنی آہ و واویلا کیوں کیا جاتا ہے۔ وہ ملک سے

> حیرت ہے کہ
> گاندھی اور گوپال اچاریہ
> لاہور رزولیوشن
> کے متعلق کہیں کہ
> بچے کے دو ٹکڑے
> کئے
> جا رہے ہیں۔

کہاں جس کے ٹکڑے کئے جائیں گے؟ اور وہ قوم ہے کہاں جس کی قومیت فنا کی جانے کو ہے؟

ہندوستان میں مختلف اقوام ہیں، اقوام ہی نہیں، ذاتیں ہیں اور ذاتوں کے نیچے اور چھوٹی چھوٹی ذاتیں ہیں۔ اور وہ مرکزی قومی حکومت کہاں ہے جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے قوت و اقتدار پر ضرب لگائی جا رہی ہے؟

وہ طاقت جس کے قبضۂ قدرت میں آج ہندوستان ہے وہ انگریزوں کی طاقت ہے اور یہ جو ایک خیال دماغوں میں بیٹھ گیا ہے کہ ہندوستان ایک متحدہ ملک ہے اور اس کی ایک حکومت ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ انگریز اس سارے ملک پر حکمراں ہیں۔ کانگریس ہائی کمانڈ کا دل چاہتا ہے کہ ہندوستان کو ایک ملک فرض کر لیا جائے اور اپنے دل کی خواہش کے مطابق انہوں نے اسے ایک ملک قرار دے لیا ہے۔ اس خیال سے وہ ایک دماغی مسرت حاصل کرتے ہیں۔ اور ہندو لیڈر اس مسرت سے ایک لطف بے پایاں حاصل کر رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہمارا مطالبہ فرقہ پرستی کا عرق دو آتشہ ہے۔ فرقہ پرستی کا نچوڑ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ حصہ ایسے ملک قرار دے دیئے جائیں اور وہ دو معزز ہمسایوں کی طرح، اور اچھے ہمسایوں کی طرح اس میں زندگی بسر کریں، نہ اس طرح کہ ہندو غالب اور اعلیٰ ہوں اور مسلمان مغلوب اور پست اور ان دونوں کو غیر قدرتی طور پر ایک دوسرے سے باندھ دیا جائے۔ اور ہندوؤں کی مذہبی بجارٹی مسلم ہندوستان پر رہے اور وہ مسلمانوں پر حکومت کریں اور مسلط رہیں۔

اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ ہم ہندوستان سے باہر تعلقات قائم کر لیں گے اور باہر کی حکومتوں سے جا ملیں گے۔ مگر جب ہمارا ملک علیحدہ ہم کو مل جائے گا اور ہم اس میں اپنی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کر لیں گے تو کسی طرح یہ بات خیال میں نہیں آ سکتی کہ ہم اس حکومت کا بیرونی حملوں سے حفاظت کا انتظام نہ کریں گے جس طرح اس ملک میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی اسلامی حکومتیں ہوں گی ان کی ہم حفاظت کریں گے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سکیم قابل عمل نہیں۔ کیوں نہیں؟ اس دنت

جو حضرات سچے دل سے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کا آئندہ کانسٹیٹیوشن (دستور اساسی) کیا ہو، شاید یہ مجموعہ ان کے لئے مفید ثابت ہو۔ اسی غرض سے میں نے ان چند مضامین کو جو غور و تحقیق سے لکھے گئے ہیں، ایک کتابچہ کی شکل میں جمع کر دیا ہے۔

ہندوستان میں آج چار قوتیں کارفرما ہیں، انگریز، ہندوستانی والیانِ ملک، ہندو اور مسلمان۔ اس وسیع نیم براعظم کے چالیس کروڑ نفوس کے آئندہ مقدرات کے بارے میں انہیں کو تعلق و فکر ہے۔ ہندوستان ایک نیشنل اسٹیٹ (ایک قوم کی حکومت) نہ کبھی تھا نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہے۔ یہ تصور کرنا کہ اس وسیع براعظم کی حکومت کی بنیاد ایک قوم اور ایک متحدہ ہندوستان ہو سکتی، ایک سراب کی تعقیب کرنا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان میں مختلف قومیں آباد ہیں۔ اس مسئلہ پر ایمانداری سے جس قدر غور و تفحص کیا جائے گا۔ اسی قدر لازماً اس نتیجہ پر پہنچا جائے گا کہ ہندوستان کی آئندہ قسمت کا تنہا حل یہ ہے کہ وہ منقسم کر دیا جائے۔

اس لئے کامل غور و فکر کے بعد مسلمانانِ ہندوستان نے بذریعہ آل انڈیا مسلم لیگ جو اُن کی واحد نمائندہ و با اختیار جماعت ہے، لاہور کے پورے اجلاس میں جو ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو منعقد ہوا۔ رزولیوشن پاس کر کے یہ اصول قرار دیا کہ ملک کے ایسے حصے جو جغرافیائی طور پر ایک دوسرے سے وابستہ ہوں بطور علاقوں یا اقالیم کے قائم کئے جائیں اور ان اقالیم کو ضروری ترمیمات آراضی کے بعد اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ان علاقوں یا اقالیم میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ جیسے ہندوستان کے شمال و مغرب و مشرق کے قطعات، ان کو یکجا کر کے آزاد حکومتیں بنائی جائیں اور ان میں سے ہر ایک حکومت آزاد اور خود مختار ہو۔ ان حکومتوں میں سے ہر ایک حکومت کے آئین سیاسی میں اقلیتوں کے تحفظ کے لئے کافی اور مؤثر اور واجب العمل دفعات رکھے جائیں، اس طرح کہ ان اقلیتوں کی مذہبی، تمدنی، اقتصادی اور سیاسی حقوق اور وہ حقوق جن پر سلطنت کی انتظامی کارروائیوں سے اثر پڑتا ہو بعد المشورہ محفوظ رکھے جائیں اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں مسلمانوں سے اور دوسری اقلیتوں سے مشورہ کرنے کے بعد اُن کے اور دوسری اقلیتوں کے مذہبی، تمدنی، اقتصادی اور سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے خاص دفعات رکھی جائیں۔ اس طریقہ سے ہندوستان جلد سے جلد زمانۂ حال ہز مجسٹی کی گورنمنٹ (یعنی گورنمنٹ انگلستان) اور پارلیمنٹ کی نگرانی اور مداخلت سے آزادی حاصل کر سکتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ موجودہ نظام میں مناسب ترمیمات کے بعد برطانیہ عظمیٰ سے کوئی تعلق قائم نہ رہے گا۔ آل انڈیا مسلم لیگ لاہور والے رزولیوشن نے ایک بنیادی سوال اٹھایا ہے، اور مجھے امید ہے کہ اس کتاب سے اس مسئلہ کی توضیح و تشریح میں اور اُسے اچھی طرح سمجھنے میں کافی مدد ملے گی اور میں یہ بھی اُمید کرتا ہوں کہ ملک کا ہر بہی خواہ اس مبحث پر تعصب اور جنبہ داری و جذبات سے علیحدہ رہ کر نظر ڈالے گا۔

جو پرانے خیالات و تعصبات ہمارے دلوں میں تکرار پیہم سے جما دیئے گئے ہیں، اُن سے آزاد و غیر متاثر ہو کر ہمیں اس مسئلہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ان خیالات کو ہمارے قلوب میں اُن لوگوں نے جاگزیں کیا ہے جو اپنا نفع اس میں سمجھتے تھے کہ ایک بے بنیاد عقیدے کی تبلیغ کی جائے۔ یعنی یہ کہ ہندوستان ایک متحدہ ہندوستان ہے۔ اس میں ایک قوم آباد ہے اور وہ ایک ملک ہے۔ ان خیالی تصورات میں جن کو حقیقت سے دُور کا بھی رشتہ نہیں محو رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تدبر اور سیاست دانی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم واقعات و حقائق سے گریز نہ کریں اور انہیں حقائق کے ماتحت اپنی راہِ عمل تیار کریں۔

بمبئی، اکتوبر ۱۹۴۰ء

محمد علی جناح

"اہنسا"، چرخہ، رام راج اور سوراج کے مقابلہ میں تقسیم ہند کی اسکیم زیادہ قابلِ عمل ہے

ہیں جو صوبے، کامل خود مختاری کے ماتحت خود مختار ہوئے وجود میں۔ ان صوبوں میں کہیں مسلمانوں کا غلبہ ہے اور کہیں ہندوؤں کا۔ ایسے جغرافیائی قطعات کو صرف وجود میں لانا جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں جن میں ایک قسم کی آبادی ہو اور دوسری نوع کی وحدت ہو۔ اور یہ قطعات خود مختار بھی ہوں بالکل ممکن اور مناسب اور قابل عمل ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس اسکیم پر ایمانداری سے غور و خوض کیا جائے۔ لیکن اگر کانگریس کا یہی ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو بجبر ہندوستان کے ماتحت رکھا جائے اور ایک ایسی مرکزی حکومت قائم کی جائے جہاں ہندوؤں کی بھاری اکثریت ہمیشہ رہے تو بے شک یہ اسکیم ناقابل عمل ہے۔ بہر صورت "اہنسا" اور "چرخہ" اور رام راج اور سوراج اور اس "کامل آزادی" کے مقابلہ میں جس کا تخیل مسٹر گاندھی کے ذہن میں ہے یہ اسکیم زیادہ قابل عمل ہے۔

اور یہ اسکیم نہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف پڑے گی اور نہ ہندوؤں کے۔ کیونکہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کا خیال رکھا جائے گا۔ اور ان حقوق کی مؤثر طریقے سے اور کافی طور پر نگہداشت کی جائے گی اور ان کے لیے واجب العمل احکامات ہوں گے۔

ہندو مسلمانوں کے متعلق جو مناقشات ہیں اور جو سیاسی مسائل ہیں ان کا واحد حل صرف یہی اسکیم ہو سکتی ہے۔ اس وقت دونوں قومیں مساوی درجہ رکھتی ہوں گی اور ان کے حقوق برابر ہوں گے۔ اور دونوں اپنی اپنی خواہشات اپنی حالات اور فطری قابلیت کے مطابق معاشی اقتصادی، سیاسی اور سوشل اور معنوی زندگی بسر کریں گے اور ترقی کریں گے اور سب سے آخر میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اسکیم خود مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ یقیناً یہ امر تو مسلمانوں ہی کے فیصلے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ یہ اسکیم مفید ہے یا مضر۔ یہ وہی پرانی فرسودہ دلیل ہے جو ہمارے حاکم یعنی انگریز پیش کیا کرتے تھے۔ جب ہندوستانی اپنے مطالبات پیش کرتے تھے اور انگریزوں کو کوئی جواب دینے نہیں بن پڑتا تھا تو یہی دلیل لا کھڑی کر دی جاتی ہے کہ ان مطالبات کو پورا کرنا خود ہندوستانیوں کے حق میں مضر ہوگا۔

کانگریس ہائی کمانڈ یا ہندو اخبارات اس دلیل کو پیش کرتے ہوئے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ جب لاہور کے رزولیوشن کا ذکر کیا جاتا ہے تو خانہ جنگی کا ذکر کیوں درمیان میں لایا جاتا ہے۔ یہ نہایت شرارت کی بات ہے۔ کوئی تصادم نہ ہوگا اور نہ ہونا چاہیے یہ اور بات ہے کہ کانگریس خود تصادم اور جھگڑے کی خواہاں ہو۔ نہ بدنظمی ہوگی نہ گڑبڑ ہوگی۔ ہاں یہ سب کچھ ہوگا اگر مسٹر گاندھی اپنے غیر تشدد کے ہتھیار مسلمانوں کو اپنے حصول مرام سے باز رکھنے کے لیے استعمال کریں گے۔

ہمارے نصب العین میں یہ بات تو اول مان لی گئی ہے کہ ہندوستان آزاد اور خود مختار ہوگا اور اگر آپ لاہور کے رزولیوشن کے اصل اصول سے اتفاق کریں گے تو ہندوستان کو آزادی بمقابلہ کسی اور طریقے کے زیادہ سرعت سے حاصل ہوگی۔ مسٹر گاندھی کا جو تازہ ترین آرٹیکل ۱۹ مئی کو شائع ہوا ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ "اور اگر یہ نہ ہوا اور ہندوستان کی تقسیم کا خیال عام ہو گیا تو دو راستے ہوں گے۔ ایک یہ کہ بمقابلہ غیر ملکی حکومت کے ہم تقسیم قبول کر لیں۔ دوسرا یہ کہ ہم آپس ہی میں لڑتے جھگڑتے رہیں اور غیر ہم پر حکومت کرتے رہیں۔ یا ان دونوں شکلوں کے علاوہ یہ شکل ہوگی کہ ہم میں خانہ جنگی ہو۔"

ظاہر ہے کہ مسٹر گاندھی کہتے ہیں اور نہیں سمجھتے تو انہیں سمجھنا چاہیے کہ ایک ایسے متحدہ ہندوستان کے لیے بحث و مباحثہ کرنا جو خیال خانہ دماغ میں ہے اور حقیقت میں موجود نہیں اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ہم غیروں کی حکومت کے سامنے رہیں گے ... سے ... خانہ جنگی ... نہیں

کوئی غلط ثابت ہو۔ اور ہندو اور مسلمانوں کی عقل سلیم لاہور والے رزولیوشن کے راستے کو پسند کرے۔

خاتمہ کلام پر میں کانفرنس سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کی تنظیم کرے اور ہم میں اتحاد و ہم آہنگی پیدا کرے تاکہ جب کوئی نازک وقت آئے تو ہم اس کے لئے تیار رہیں نو کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان مسائل کے حل پر منحصر ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ان حالات کی اہمیت سے اچھی طرح باخبر ہیں جو بیرون ہند اور اندرون ہند ظاہر ہو رہے ہیں اور ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین یہ نہیں کہ ہم کسی قوم فرقہ کو نقصان پہنچائیں یا ملک کی ترقی میں روڑے اٹکائیں۔ ہم صرف اپنی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔

ہم اس ملک میں آزاد اور معزز آدمیوں کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام آزاد ہو اور ہندوستان آزاد ہو۔

اخبار ٹائم اینڈ ٹائیڈ میں
جو انگلستان سے شائع ہوتا ہے
۱۹ جنوری ۱۹۴۰ء کو
محمد علی جناح کا یہ مضمون شائع ہوا تھا

وہ بیماریاں جو اس وقت ہندوستان کے کانسٹی ٹیوشن کے سلسلے میں ہندوستان کو لاحق ہیں ایسی بیماریاں ہیں جو ایک سیاسی جسم میں لابدی طور پر ہو سکتی ہیں۔ یہ موجودہ بیماریاں اس اندرونی بیماری کے علامات ہیں جب تک بیماری کی تشخیص نہ ہو جائے ان علامات کو صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے اور اس وقت تک کوئی علاج تجویز نہیں کیا جا سکتا۔

لہذا پہلے ہمیں پہلے تشخیص مرض کرنا چاہیے۔ پھر علامات مرض پر نظر ڈالنی چاہیے اس کے بعد علاج تجویز کرنا چاہیے۔ ہندوستان کا سیاسی مستقبل کیا ہے؟

ہندوستان کا سیاسی مستقبل کیا ہے؟ برٹش گورنمنٹ نے اس ارادے کا اعلان کر دیا ہے کہ منزل آخر ہندوستان کے لئے یہ ہے کہ جلد سے جلد زمانے میں جو عملی طور پر ممکن ہے ہندوستان کو نو آبادیات کا درجہ دیدیا جائے۔ یہ درجہ ویسٹ منسٹر کے سٹیٹیوٹ

کے مطابق ہو گا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے قدرتی طور پر برٹش گورنمنٹ چاہتی ہے کہ ہندوستان میں ایک جمہوری نظام حکومت قائم ہو۔ یہ نظام وہ نظام ہے جس سے برٹش گورنمنٹ اچھی طرح واقف ہے اور اس کو سب سے بہتر نظام تصور کرتی ہے اس نظام میں طریقہ کار یہ ہے کہ ملک کی حکومت انتخابات کے نتیجے کے مطابق سیاسی جماعتوں میں سے ایک جماعت کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ مگر ممبران برٹش پارلیمنٹ، حالات ہندوستان سے اس قدر ناواقف ہیں، کہ باوجود گزشتہ تجربات کے وہ اب تک یہ نہیں سمجھے کہ اس قسم کی حکومت ہندوستان کے لئے بالکل نامناسب ہے۔

جمہوری طریقہ حکومت اس نظریہ پر ہے کہ ملک میں ایک قوم آباد ہے جیسا کہ انگلستان میں ہے۔ یہ طرز حکومت ہندوستان جیسے ملک کے لئے جہاں مختلف قومیں ہیں، قطعی ہی لیے غیر موزوں ہے اور ہندوستان کی سیاسی بیماریوں کا سبب اصل یہ سادہ سا واقعہ ہے۔

لیفٹیننٹ کرنل میور ہیڈ آنجہانی بھی جبکہ وہ ہندوستان کے انڈر سیکریٹری آف اسٹیٹ (نائب وزیر) کے عہدے پر فائز تھے اس امر کو پورے طور پر سمجھنے سے قاصر رہے۔

ملک ہند کے مختلف فرقوں میں جو ان بن اس وقت موجود ہے۔ اس پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا اس وقت جو لوگ صاحب اقتدار ہیں۔ یعنی جن کے ہاتھ میں حکومت ہے اور جو لوگ حکومت کی مخالف پارٹی میں ہیں، دونوں یہ خیال کرتے ہیں کہ موجودہ صورت ہمیشہ قائم رہے گی۔

افسوس ہے کہ موصوف نے فرمایا کہ اہل ہند جمہوریت کے طریقہ حکومت کی ایک مابہ الامتیاز کیفیت کو اچھی طرح ذہن نشین نہیں کر سکے یعنی یہ کہ مجارٹی اور مائنارٹی (اکثریت و اقلیت) ہمیشہ یکساں نہیں رہتی اور اس لئے مخلف مائنارٹی کے خیال کی تردید کی کہ وہ ہمیشہ مائنارٹی میں رہے گی؟ اور چونکہ وہ ہمیشہ مائنارٹی میں رہے گی اس لئے وہ کانسٹی ٹیوشن کی مخالف ہے مگر وہ اس بات کو بھول گئے کہ جمہوریت کے تصور میں پہلے یہ تصور ہے کہ حکومت ایک قوم کے ہاتھ میں رہے۔ مگر ہندوستان میں مختلف ملتیں مراتب ہوں اور وہ ایک ... جاتی ہیں۔

... کے مطالعہ کی ابتدا اس رپورٹ ... جو ہندوستان کے سیاسی اصلاحات پر جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی نے شائع کی ہے۔ (ملاحظہ ہو سیشن ۲۴-۱۹۳۳ء جلد ۱، پیراگراف ۱)

اس رپورٹ میں درج ہے کہ:

"ہندوستان میں مختلف قومیں آباد ہیں، جو اقوام یورپ کی طرح جداگانہ روایات کی حامل ہیں، ان کا طریقہ ماند و بود علیحدہ ہے اور وہ ایک دوسرے سے علیحدہ اور مختلف طور پر معرض وجود میں آئیں ملک کی دو تہائی آبادی کسی نہ کسی شکل کے ہندو مذہب کی پابند ہے سات کروڑ ستر لاکھ پیروان دین اسلام ہیں ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے سے نہ صرف مذہب میں علیحدہ ہیں بلکہ ان کا قانون اور

ہم چاہتے ہیں کہ
اسلام آزاد ہو،
اور ہندوستان
آزاد ہو۔

ان کا کلچر بھی جداگانہ ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں ممتاز تہذیب کے حامل ہیں ہندو مذہب میں ایک خاص چیز "ذات" کا مسئلہ ہے۔ اس کی مذہبی اور سوشل نظام کا دار و مدار "ذات پات" پر ہے اور معدودے چند لوگوں کو چھوڑ کر جو اس کی قید و بند سے آزاد ہو گئے ہیں، باقی لوگوں پر مغربیت کے فلسفے نے کوئی اثر نہیں کیا۔ برخلاف اس کے مذہب اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان سب برابر ہیں"

میرے خیال میں ہندوستان کی تصویر، ایک مختصر پیراگراف میں اس سے بہتر کبھی نہیں کھینچی گئی اور ہندوستان کے مسائل، بغیر اس پس منظر کو سامنے رکھے ہوئے کبھی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔

اہل انگلستان کو اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے ہندو مذہب اور دین اسلام دو جداگانہ اور ممتاز تہذیبوں کے مثل ہیں، دو علیحدہ تمدنوں کی حامل ہیں علاوہ بریں، یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ اقوام یوروپ کی طرح جداگانہ روایات کی حامل ہیں، ان کا طرز زندگی علیحدہ ہے اور وہ علیحدہ علیحدہ معرض وجود میں آئیں۔

مختصر یہ کہ وہ دو جداگانہ قومیں ہیں اور جب جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی جیسی اہل الرائے جماعت نے اسے تسلیم کر لیا تو پھر اگر مسلمان یہ کہیں کہ برٹش گورنمنٹ کا یہ جبر دیار مغرب کا جمہوری نظام حکومت ہندوستان پر مسلط کرنا مقتضائے عقل و مصلحت نہیں، تو وہ حق بجانب ہیں ایسا نظام حکومت اگر ہندوستان میں رائج بھی کیا جائے تو اسے ہندوستان کے حالات کے مطابق ترمیم کرنا ہو گا۔ اور اس کی حدیں قائم کرنی ہوں گی۔

اب اگر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں ایک جس کی اکثریت ہے، اور دوسری جو اقلیت میں ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ پارلیمنٹری طریقہ حکومت کا یہاں جاری کرنا جس میں اکثریت کا اصول، بنیادی اصول ہے یہ معنی رکھے گا کہ بڑی قوم یعنی جس قوم کی تعداد زیادہ ہے، حکومت اس کے ہی ہاتھ میں رہے گی۔ اور تجربہ نے یہ بتا دیا ہے کہ کسی پولیٹیکل پارٹی کا اقتصادی اور سیاسی پروگرام کچھ بھی ہو، ہندو اپنی ذات برادری والے کو ووٹ دے گا اور مسلمان اپنے ہم مذہب کو۔

انگریز عیاق ہیں، مگر ان مذہبی لڑائیوں کو بھول جاتے ہیں جن سے ان کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ انگریز خیال کرتے ہیں کہ مذہب خدا اور انسان کے درمیان ایک پرائیوٹ معاملہ ہے مگر مسلمان اور ہندوؤں کا یہ خیال نہیں۔

ان دونوں مذہبوں میں معین سوشل ضابطے ہیں جس میں بندے کا تعلق خدا سے اتنا نہیں، جتنا انسان کا انسانوں کے ساتھ بتایا گیا ہے، یعنی حقوق اللہ اور حقوق عباد کا تعین کیا گیا ہے ان دونوں قوموں کے قانون اور کلچر پر بھی ان کا مذہب ساری دطاری نہیں، بلکہ ان کے سوشل زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ ایسے مذاہب کے پیرو ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں گے۔ اور ان میں فکر و خیال کی وہ وحدت و ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی، جس پر مغربی جمہوریت کی بنا ہے۔ اور سوسائٹی کی تقسیم اوپر سے نیچے تک علیحدہ علیحدہ ہو گی، نہ کہ متوازی طریقہ پر جس کا تصور مغربی جمہوریت میں کیا گیا ہے۔

مغربی جمہوریت ہندوستان کے لئے قطعاً ناموزوں ہے اور ہندوستان جس بیماری میں مبتلا ہے وہ یہی ہے کہ یہ جبریہ جمہوریت اس کے سر منڈھی جا رہی ہے۔ مرض معلوم ہو چکا تو اس کے علامات کو تلاش کرنا چاہیئے ایک ہوشیار اور زیرک پاسٹیشن یعنی مہاتما گاندھی کی زیر ہدایت، کانگریس نے جو قریب قریب ایک ہندو جماعت ہے مدتوں پہلے اس کو سمجھ لیا تھا کہ مغربی نظام جمہوریت کے ذریعے ... ان کی۔

امید دستا پوری ہو گی کہ تمام ہندوستان پر انہی کا غلبہ ہو۔ لہٰذا ان کی ساری جد و جہد ان کی ساری کوششیں اس کے لئے وقف کر دی گئیں کہ ہندوستان میں جمہوری نظام حکومت قائم کیا جائے، اور انہوں نے محسوس کر لیا، کہ جو راہ عمل ان کے رہنما اور ورکنگ کمیٹی نے متعین کی ہے اگر وہ اس پر گامزن ہوئے تو وہ منزل مقصود کے قریب بہت جلد پہونچ جائیں گے۔

لہٰذا، کانگریس چیختی اور چلاتی تو یہ رہی کہ جدید کانسٹی ٹیوشن بالکل خراب ہے اور وہ اسے ہرگز قبول نہ کریں گے، مگر ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ الیکشن لڑے جائیں اور کانسٹیٹیوشن کے شروع ہونے سے قبل جو انتخابات ہوں ان میں اپنے امیدوار کھڑے کئے جائیں، ہندوستان کے چھ ہندو صوبوں میں یعنی بمبئی، مدراس، یو۔پی، بہار، اور اڑیسہ میں ان کی زبردست مجارٹی رہی۔ ایسا ہونا لازم تھا اور غیر متوقع نہ تھا لیکن جیسی کامیابی کانگریس کو ان چھ ہندو صوبوں میں ہوئی، ویسی ہی ہندوستان کے پانچ مسلم صوبوں میں یعنی بنگال، پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور آسام میں اسے زبردست شکست ہوئی۔ اور ہندو صوبوں میں بھی غیر ہندو حلقہ انتخابات میں، بالخصوص مسلم حلقہ ہائے انتخاب میں، کانفرنس کو کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

ایک ایسی پارٹی کے لئے جس نے اپنا نام خود ہی نیشنل پارٹی رکھ لیا تھا، یہ صورت حالات اطمینان بخش نہ تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت جلد یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ ایک فرقہ وارانہ جماعت تھی ورکنگ کمیٹی بھاگا بھاگ واردھا پہونچی۔ اور اپنی حالت کا جائزہ لیا۔ اس وقت اس کی پوزیشن کیا تھی؟ یہ کہ پانچ صوبوں میں اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا، چھ صوبوں میں اسے مکمل اکثریت حاصل تھی۔ جہاں اسے اکثریت حاصل تھی وہاں مخالف پارٹی، اگرچہ بہ لحاظ تعداد ممبران کمزور تھی، لیکن اس مخالفت کی رہنمائی مسلم لیگ کے ممبروں کے مضبوط بلاک کے ہاتھ میں تھی۔

دو نقطہ نظر سے حالت اطمینان بخش نہ تھی اول یہ کہ کانگریس کا ایک ہندو جماعت ہونا تمام و کمال ظاہر ہو گیا تھا دوم یہ کہ مخالف پارٹی کو جس کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی کچل دینا اور اس کی رائے کی مطلق پرواہ نہ کرنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ گورنروں کو اختیار خصوصی حاصل تھے کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔

اس کا اندازہ کر کے کہ اندریں صورت ان کے منصوبے بروئے کار نہ آئیں گے۔ کانگریس نے بازی بر ترپ کا پتہ لگا دیا۔ اس نے حکومت کی ذمہ داری لینے اور قلمدان وزارت سنبھالنے سے انکار کر دیا اب وہ ہوا جس سے تمام مسلمان اور دوسری اقلیتیں حیرت زدہ اور سراسیمہ ہو گئیں۔ یعنی وائسرائے اور گورنر، خوشامد کرنے اور رجھانے پر اتر آئے وہ کانگریس سے پوچھنے لگے "فرمائیے آپ کو کیا چاہئے، کیا حکم ہے کس کس بات کا آپ ہم سے اطمینان چاہتے ہیں۔"

کانگریس کا جواب تیار موجود تھا اور وہ یہ تھا۔

"یہ وعدہ کرو کہ تم اپنے اختیارات خصوصی کا استعمال نہ کرو گے تب زمام حکومت ہم اپنے ہاتھ میں لیں گے۔"

بسرعت تمام، وہ جو اقلیتوں کے حقوق کے قانوناً محافظ قرار دیئے گئے تھے، اپنی مقبوضہ امانت کو چھوڑ، اور اس کا قلع قمع کر کے اکھڑے ہوئے، اور کانگریس اور برٹش گورنمنٹ من تراحاجی بگویم تو مرا حاجی بگو پر عمل کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کی تدبر و سیاست دانی کی مدح سرائی کرتے ہوئے ایک دوسرے کے پولیٹیکل حلیف بن گئے۔

مگر وہ خار اب بھی کھٹک رہا تھا، یعنی حکومت اگر صرف ہندو حکومت ہوتی اور سب وزیر ہندو ہی ہوتے تو وہ نیشنلزم کا ڈھونگ جو رچایا گیا تھا وہ کھل جائے گا کیونکہ ان چھ صوبوں میں، کانگریس کے ٹکٹ پر ایک مسلمان بھی منتخب نہ ہوا تھا۔ اور باقی صوبوں میں بہت سے بہت دو یا تین کانگریس کے ٹکٹ پر اسمبلی یا کونسل میں داخل ہوئے تھے مگر کیا پرواہ ہے؟ ان مسلمان ممبروں میں کم سے کم ایک ممبر تو ایسا ضرور مل جائے گا۔ جسے وزارت کا لالچ جادہ استقلال سے منحرف کر دے گا، وہ اسے وزارت کا چارہ دیں گے بہ شرطیکہ وہ کانگریس "پلیج" پر دستخط کر دے یعنی یہ وعدہ کرے کہ آئندہ سے جو کانگریس کا سیاسی مذہب وہی میرا مذہب۔

مگر سوال یہ تھا کہ کیا گورنر، واقعات کو اس طرح چھپا کر، اور اصلی رنگ کو دبا کر دوسرے رنگ میں ظاہر کرنے پر راضی ہو جائیں گے؟

ملک معظم کی جانب سے جو ہدایات گورنروں کو دی گئیں تھیں، ان میں کیا تحریر تھا؟

یہ کہ "ہم اپنے گورنر صاحبان کو حکم دیتے ہیں کہ اپنے وزیروں کی کونسل میں وزراء کا تقرر کرتے وقت وہ اس امر کی کوشش کریں کہ انتخاب وزراء طریق ذیل پر کیا جائے۔

ان کی یعنی گورنروں کی رائے میں مجلس قانون ساز کے ممبران کی اکثریت کا جس شخص کو اعتماد حاصل ہو اس کا مشورہ لے کر، ایسے شخصوں کو عہدہ وزارت کے لئے منتخب کیا جائے جس پر بہ حیثیت مجموعی مجلس قانون ساز کو بھروسہ ہو۔ ان وزراء میں جہاں تک ممکن ہو، اہم اور معتبر اقلیتوں کے ممبر بھی وزیر بنائے جائیں۔ تقرر وزراء کے وقت گورنر صاحبان اس کا بھی خیال رکھیں کہ وزراء میں مشترک ذمہ داری کا احساس پیدا کیا جائے۔"

ورکنگ کمیٹی نے ان ہدایات کے مطالب پر بہت تعمق کے ساتھ غور کیا۔ یہ ہدایت دو حصوں پر مشتمل تھی پہلے حصے میں گورنر صاحبان کو ہدایت تھی کہ وہ کوشش کریں کہ وہ وزارت کے لئے ایسے اشخاص کا (جن میں جہاں تک ممکن ہو، اہم اقلیتوں کے ممبر بھی ہوں) انتخاب کریں جو...... وغیرہ وغیرہ"

ان الفاظ میں جو معنی، بجز وخ پنہاں ہے، وہ صاف ہے۔ ہدایت یہ تھی کہ وہ اہم اقلیتوں میں سے بھی ایسے وزیر منتخب کریں جن پر ان کو بھروسہ ہو، اور چونکہ لیگ اور کانگریس کے پولیٹیکل پروگرام میں، جس کی یہ دونوں جماعتیں مجالس قانون ساز میں تعقیب کرنا چاہتی تھیں بہت فرق نہ تھا اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ کوئی مسلم لیگی ممبر وزیر مقرر نہ کیا جا سکے۔

مگر ہدایت کی آخری سطر پر بھی تو نظر ڈالنی چاہئے "تقرر وزراء کے وقت گورنر صاحبان اس کا بھی خیال رکھیں کہ وزراء میں مشترک ذمہ داری کا احساس پیدا کیا جائے"

یہ ہدایت، اپنی مطلب برآری کے لئے کام میں لائی جا سکتی تھی، بشرطیکہ ہدایت ثانی کو جو کہ بطور مشورہ تھی اور ہدایت اول کے ماتحت تھی، گورنر صاحبان ہدایت اول سے بالاتر قرار دینے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

یہ مشترک ذمہ داری نہیں لی جا سکتی تاوقتیکہ مسلم وزیر بھی ورکنگ کمیٹی کے حکم کی تعمیل نہ کرے، یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں قضیہ کانگریس کے حق میں فیصل ہو گیا گورنر صاحبان نے نہایت اطاعت مندانہ طریقے سے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس غرض سے کہ کانگریس پبلک کو دھوکا دے کر یہ کہہ سکے کہ وہ نیشنل اور قوم کے ہر جز کا یعنی اقلیتوں کا بھی خیال رکھتی ہے، اس نے اپنی مجلس وزراء میں مسلمان وزیر کو بھی رکھ لیا، مگر یہ مسلمان وزیر جو مسلمانوں کے نمائندے بنا کر رکھے گئے تھے، وہ تھے جو کس

ہیں ہندو اقتدار کے جیسے تھے۔ یہ مسلمان وزیر کانگریس
ہیڈکوارٹر (F) پر دستخط کرکے ورکنگ
کمیٹی کے حلقہ بگوش ہوگئے اور اس کے احکام کی پابندی
ضروری تھی۔

ایسی آسانی سے جو بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں،
وہ کانگریس کا دماغ چل گیا۔ وہ قوت و طاقت کے نشے میں
سرشار ہوگئی۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے تئیں اعلیٰ
حیثیت دے دی گویا وہ ایک دوسری مرکزی حکومت اور
صوبائی حکومت سمجھی کہ ہم عمال چل رہے ہے
اور صوبوں کی حکومتیں اس کے حضور میں جواب دہ ہیں۔

ہر صوبے کے لئے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے۔ وزراء
ان ڈکٹیٹروں کے حکم پر چلتے تھے جن کی منظوری کے بغیر
کوئی قانون پاس نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مخالف پارٹی کی
حیثیت کو بالکل ... اس کے بعد انہوں نے ... انگریز
کو سمجھ لیے گئے ... مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

تمام ہندوستان میں مسلمانوں پر حملے شروع کئے گئے
مسلمان صوبوں میں جو وزارتیں مختلف پارٹیوں کو ملا کر قائم
کی گئی تھیں مگر جن میں زیادہ تر مسلمان تھے، انہیں
شکست دینے کی کوشش کی گئی اور سیاسی منافع کا
لالچ دے کر لوگوں کو ان وزارتوں کے خلاف بھڑکایا
گیا۔ آخر کار صوبہ سرحد اور آسام میں کانگریسی وزارتیں
قائم ہو گئیں۔

ان سات ہندو صوبوں میں ہندو کلچر کے لئے جنگ
شروع کر دی گئی۔ یہ کوشش کی گئی کہ کانگریس پارٹی کا
... جو محض ہندو ترانہ ہے، قومی قرار دیا جائے۔ پارٹی
کا جھنڈا قومی جھنڈا مانا جائے اور حقیقی قومی زبان
اردو کی جگہ ہندی لے لے۔

ہر جگہ ظلم و تعدی شروع کر دیا گیا۔ چاروں طرف
سے مسلم لیگ کے مرکزی دفتر میں شکایات کا تانتا
بندھ گیا۔ ان شکایات میں اتنا تواتر ہوا کہ ان کی تحقیق
کے لئے مسلم لیگ نے پیر پور کمیٹی قائم کی۔ اس کمیٹی کی
رپورٹ ... دیکھی جا سکتی ہے۔ ان شکایات کی
تائید میں اتنی شہادت ہے اور اتنی زیادہ شہادت ... کہ
... مسلمان ان شکایات کی تحقیقات کرنے
کے لئے ایک شاہی کمیشن کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہوئے
... مسلمانوں کو ... سرکار
... کوئی قدم ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے
نہ اٹھایا۔

کانگریسی وزارتوں نے جس وقت استعفے دیئے اس
سے بیس قبل کی کیفیت وہ تھی جس کا خاکہ اوپر کھینچا
گیا ہے۔

مناسب ہوگا اگر اہل انگلستان ان حالات پر
غور کریں کیا وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان ایک ٹوٹے کی
ٹیرین (TOTALITARIAN) ہندو سلطنت ہو جائے
(یعنی) ایسی سلطنت جس میں حاکم وقت ایک آمر (ڈکٹیٹر)
کی حیثیت رکھتا ہو اور اہل ملک کا اس سلطنت میں کوئی
دخل نہ ہو۔ جس میں مرکزی حکومت اور صوبے کی حکومتیں
مجالس قانون ساز کے سامنے اور انتخاب کنندگان کے سامنے
جواب دہ نہ ہوں بلکہ ان پر ایک ایسی ٹولی کا حکم چلتا
ہو جس کا ذکر آئین میں کہیں نہیں۔ یہ ٹولی یہ جماعت
کانگریس کی ورکنگ کمیٹی ہے۔ میں انگریزوں کو یقین دلاتا
ہوں کہ اگر کانگریس کا مطالبہ کہ ہندوستان کا کانسٹی
ٹیوشن ایک کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی تیار کرے منظور ہوا۔

کوئی ایسا کانسٹی ٹیوشن
وجود میں نہ لایا جائے
جو اس بات کو
قبول نہ کرے کہ ہندوستان
میں دو قومیں ہیں۔

تو ایسی ہی جمہوری استبداد کی حکومت قائم ہو جائے گی۔
یہ کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی بھی ایک غیر قابل عمل چیز ہے
اور جس کے مآل اور ماحول کا کچھ پتہ نہیں ہوگا کیا؟

اس کا مطلب اصلی کیا ہوگا؟ اس پر غور کرنا
چاہئے۔ شروع ہی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاص اس
موقع پر اور اس وقت یہ مطالبہ کیوں پیش کیا جا رہا ہے
اس کا جواب صاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ موجودہ جنگ ورکنگ
کمیٹی کے لئے سنہرا موقع ہے جس سے وہ فائدہ اٹھانا
چاہتے ہیں تاکہ آل انڈیا ان آٹھ صوبوں کی بجائے تمام
ہندوستان میں ہر صوبہ اور ہر ریاست پر اس کی حکومت
ہو۔ اگر برٹش حکومت گھبرا کر ... نازک حالات
کی وجہ سے برطانیہ اس جال میں پھنس گئی تو
یاد رہے کہ ملک ... جائے گا جس کا نتیجہ کیا ہوگا
کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا۔ بہرحال اس کا مجھے
یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ان حالات کے مطیع
و منقاد نہیں ہیں اور ہر ممکن طریقہ سے مقابلہ کے
لئے تیار ہو جائیں گے۔ یہ کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی کس قسم
کی جماعت ہوگی جسے کانسٹی ٹیوشن بنانے کا حق دیا جائے
گا؟ ہندوستان میں ... کروڑ انسان بستے ہیں جو
جاہل مطلق ہیں ... ہندو علاقوں کے مظالم ہی ... بات
بات کی جکڑبندیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ گت
ان کے قصور کی وجہ سے نہیں۔ انہیں آج بھی یہ معلوم
نہیں کہ ان پر حکومت کس طرح کی جا رہی ہے اس کا صحیح
خیال ان کے دماغ میں نہیں۔ اور تجویز یہ ہے کہ ان جہلا
کے نمائندوں کو ہندوستان کے کانسٹی ٹیوشن بنانے کا کام
سپرد کر دیا جائے۔ اس لئے کیا یہ کہنا مبالغہ ہوگا کہ سب
سے زیادہ منتخب شدہ نمائندے جاہل اور ان پڑھ
ہندو ہوں گے۔ یہ کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی سرتاسر مہاتما
گاندھی اور کانگریس رہنماؤں کے زیر اثر ہوگی اور اس
اسمبلی سے جو کانسٹی ٹیوشن بن کر نکلے گا وہی ہوگا
جو ورکنگ کمیٹی چاہے گی۔

جو ورکنگ کمیٹی اپنا مقصد کانسٹی ٹیوینٹ
اسمبلی کے ذریعہ سے حاصل کرے گی۔ انگریزی اقتدار
و حکمرانی اور انگریزی تجارت غائب ہو جائے گی۔
ہندوستانی ریاستیں ختم ہو جائیں گی اقلیت کی مخالفت
ختم کر دی جائے گی۔ اور ایک عظیم الشان ہندو قومیت
کا وجود عمل میں آئے گا جس کی عنان حکومت اس کے محبوب
قائد مہاتما گاندھی اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ہاتھ
میں ہوگی۔

اب تک ہم نے مرض اور اس کے آثار کو تشخیص کیا
اس کا علاج کیا ہے؟

(۱) برطانوی لوگوں کو اس امر کا احساس کرنا چاہئے
کہ ہندوستان کے حالات مغربی جمہوریت کی نشر و
اشاعت کے لئے کسی طرح سازگار نہیں ہیں۔ اور اس
بارے میں ان کی تمام جد و جہد محض لا یعنی اور بے سود ہے

(۲) ہندوستان میں پارلیمنٹری گورنمنٹ کسی طرح درست
نہیں۔ تمام حکومتیں خواہ وہ مرکزی ہوں یا
صوبوں کی ایسی ہونی چاہئیں جو باشندگان ملک کے
تمام طبقوں کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔

اس ضمن میں آل انڈیا مسلم لیگ نے حسب ذیل
اصول مقرر کئے ہیں۔

(۱) برٹش گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ ہندوستان کے
آئندہ قانون اساسی ... کی روشنی میں جو

باقی صفحہ ۵۰ پر

اسیرانِ جمہوریت

رپورٹ: اکرام الحق قریشی

گذشتہ سوا سال کے دوران اسلام آباد کے در و دیوار مارشل لاء کی باقیات کے تذکروں سے گونجتے رہے ہیں۔ سیاسی مہم جوئیوں اور تجربات کی لیبارٹری وطن عزیز میں مروجہ اصطلاحات میں یہ ایک نیا اضافہ تھا۔ اس اصطلاح کے ساتھ جنرل ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دورِ ظلمت کی سبھی داستانیں، بیماری، ناداری اور بے روزگاری سے نجات کے خواب دیکھنے والے مظلوم شہریوں کے خلاف روا رکھے گئے جبر و ستم اور قوم کے اتحاد و یکانگت کے خلاف کی ہوئی سبھی سازشوں کا تصور ذہنوں میں چلا آتا ہے۔ خچر جنہیں نہ اپنے آباء کی کوئی خبر ہوتی ہے اور نہ آئندہ نسلوں کے وجود کا کوئی بوجھ، اسپان تازی کی صفوں میں کھڑے ہو کر جب اپنا وجود تسلیم کروا لیں تو ان کا بانجھ پن ان کے لئے کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں رہ جاتا۔ اس غیر فطری اختلاط کے نتائج کچھ دیر میں افق سیاست پر ضرور ظہور پذیر ہوں گے۔

ہم نے مارشل لاء کی باقیات کی اصطلاح کے مقابلے میں ہم نے جدوجہد کی نئی اصطلاح پیش کی "جدوجہد کی باقیات" سے مراد وہ اسیران جمہوریت ہیں جنہوں نے آخری مارشل لاء کے گیارہ سالوں کے دوران پاکستان بھر میں آمریت کے خلاف مزاحمت کی روشن ترین مثالیں قائم کیں۔ باقیات میں انہیں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ محلاتی سازشوں کے ذریعہ آج انہیں ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا گیا ہے جہاں بظاہر وہ تنہا تنہا اور مرکزی دھارے سے کٹے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔

نواز شریف اور ان کے حواری اپنے موجودہ عوامی مینڈیٹ سے قطع نظر صرف دورِ آمریت کی پیداوار ہیں۔ وہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے شریک اقتدار رہے ہیں۔ انہیں حق پہنچتا ہے کہ اپنے اس دور کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کو دہشت گرد کہیں یا تخریب کار! دو سال پیشتر برطانیہ کے حکومتی ایوانوں میں ایک نمائش زیرِ گردش ہوا کرتی تھی۔ جس میں جارج واشنگٹن کو اپنا سب سے بڑا دہشت گرد قرار دیا گیا تھا۔ آج کے دہشت گردوں میں یاسر عرفات، لیلیٰ خالد، کرنل قذافی، حافظ الاسد، نور مسوری، نیلسن منڈیلا کا شمار ہوتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے شبیر شاہ اور آزاد کشمیر کے امان اللہ کا نام بھی دہشت گردوں اور تخریب کاروں کی اسی فہرست میں شامل رکھا ہے۔



اسیرانِ کے کنونشن کا پروگرام ترک کرنا وزیراعظم بے نظیر سے غداری کے مترادف ہے۔

اسیرانِ جمہوریت آج کی اس پریس کانفرنس کا بنیادی مقصد بہرحال "جدوجہد کی باقیات" کے خلاف اس سازش کو بے نقاب کرنا ہے۔ جس کے تحت نواز شریف کی الذوالفقار کے خلاف تازہ ترین پروپیگنڈہ مہم سے ملتے ہیں یہ سازش نا صرف ہمارے محبوب وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو اور پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف وفاقی کابینہ کے ایک وزیر اور وزیراعظم کے پرسنل اسٹاف کی ایک اہم ترین رکن کی طرف سے کی گئی ہے۔ اس سازش کا ایک مقصد تو پارٹی کی جدوجہد کرنے والے ہراول دستے اور وزیراعظم کے درمیان بدگمانی پیدا کر کے پارٹی کو کمزور کرنا ہے۔ تو دوسری طرف پنجاب کے وزیراعلیٰ کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے تاکہ ایک طرف ملک میں محاذ آرائی کی کیفیت مسلسل جاری رہے۔ دوسری طرف وزیراعظم مسلسل ایک اعصابی، سیاسی اور ذہنی تناؤ کی کیفیت میں رہیں تاکہ وہ اپنی من مانی کرتے رہیں۔ تیسری طرف پنجاب کے حکومتی ڈھانچے میں کوئی ایسی تبدیلی نہ آئے جس کے نتیجہ میں پنجاب میں پاکستان پیپلز پارٹی کے اس حجم عزیز کی نمائندہ قوتیں نہ صرف نابلض ہو جائیں۔ اس سازش کا بنیادی مقصد وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کے گرد اپنے سازشی حصار کو مضبوط تر کرنا ہے۔ تاکہ وزیراعظم جنہیں بیک وقت بہت سے محاذوں پر جنگ کا سامنا ہے اس سازشی گروہ کی دست نگر رہیں اور ان کا پارٹی کے مخلص کارکنوں سے کوئی براہ راست رابطہ نہ ہو سکے۔ اس وفاقی وزیر نے حال ہی میں پنجاب کے وزیراعلیٰ کے بھائی سے جن کے چند دن پہلے وہ اس وقت بھی پل رہا ہے۔ جب مخلص کارکن اسے اپنے ایک ساتھی کی حیثیت سے عزت اور وقار کا مستحق ٹھہراتے تھے۔ رابطہ کر کے اسیران جمہوریت کے خلاف ال ا کی پروپیگنڈہ مشنری سے مدد کی درخواست کی تھی۔

ایس او ایس کی اس کال کا پس منظر بتانے کے لئے مجھے آپ کو اسیران جمہوریت کے اس کنونشن کی یاد دلانا پڑے گی۔ جو جنوری ۲۹ سے جنوری ۳۱ تک اقبال ہال اسلام آباد میں منعقد ہوا یہ کنونشن پہلے ۱۸ سے ۲۰ دسمبر ۸۹ء تک ہونا قرار پایا تھا جس کے لئے ہم تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ کنونشن کے اغراض و مقاصد میں سے اہم ترین ہماری جمہوری حکومت کے استحکام کے لئے تدابیر پر غور و خوض، خود احتسابی کے لئے لائحہ عمل کا تعین اور عملی اقدامات اور بلا لحاظ جماعت مارشل لاء کے

[illegible] سیاسی رہنماؤں اور بہی خواہوں کے تجاویز [illegible] تھا۔ چنانچہ پیش قدمی کے طور پر ایک [illegible] جس کے لئے میں نے ان کو پارٹی کے مفاد میں [illegible] اور اسے فوراً پارٹی دشمنی سے تعبیر [illegible] خصوصی طور پر ان کو شکست دینے کی غرض [illegible] حضرت بیٹھ گئے جب اسی سلسلے کا ذکر وفاقی [illegible] وزیر سے کیا تو انہوں نے ایران جمہوریت کے حوالے [illegible] استعمال کرنے کا منصوبہ تھا۔ تو انہوں نے [illegible] کی بجائے اس کنونشن کے سلسلے میں [illegible] کر دیا جائے۔

اس وفاقی وزیر نے ہر چال چلی تاکہ ایران جمہوریت کو خریدنے کی کوشش کی [illegible] اس کوشش میں ناکامی کے بعد انہوں نے ایران جمہوریت اور قیادت کے درمیان محاذ آرائی کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی ابتدا کی جس کی انتہا ایک ایسا شرمناک حربہ ہے اس سلسلے میں [illegible] پر منتج ہوا۔ [illegible] وفاقی وزیر جہانگیر بدر نے سیاسی اسیروں [illegible] کے پارلیمنٹ ہاؤس میں ایک دوسرے وفاقی [illegible] میں اسیران کو اپنے کنونشن کی تاریخ کا اعلان [illegible] دوسری طرف محمود وزیراعظم سے یہ کہا کہ جو سیاسی اسیران کے اسلام آباد میں اکٹھے ہونے سے پارٹی کے وجود کا [illegible] ہم نے اسیران کے نمائندوں کو کنونشن کا خیال [illegible] کرنے پر آمادہ کر [illegible] ہے۔ ہمارے نزدیک یہ حرکت [illegible] شخص اور بے تحاشا [illegible] دینے والے کارکنوں سے [illegible] بے نظیر بھٹو وزیراعظم پاکستان سے معمولی [illegible] بلکہ عظیم [illegible] کے مترادف تھی۔ یہ قیادت اور کارکنوں [illegible] کرنے والی وہ تباہ کن سازش تھی جس کا [illegible] کہ ان کے حواری پیشہ ور افواہ بازوں اور [illegible] بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اس صورت حال میں [illegible] نے سازشوں کا مقابلہ خاموشی سے کرنے کا تہیہ کیا کہ ہمارے [illegible] پارٹی مفاد میں تھا جیسا کہ آپ کے علم میں ہے۔

ایران جمہوریت کا کنونشن ہوا جس کی افتتاحی تقریب میں پارٹی کے [illegible] چیئرمین شیخ محمد رشید مہمان خصوصی تھے۔ سازشی گروہ نے کنونشن کے دوران مسلسل تخریبی کارروائیاں اور [illegible] جنگ جاری رکھی۔ تاکہ یہ بدنظمی کا شکار ہو جائے۔ حکومتی [illegible] سازشی عناصر کی طرف سے ہمیں پیغامات ملے کہ ہم مطالبات کے [illegible] جیالے تمہارے حوالے کرتے ہیں شیخ رشید کو [illegible] دیا یا کم از کم انہیں تقریر کا موقع نہ دو۔ اگلے روز [illegible] پاکستان کے خصوصی حکم پر محترمہ ملک غلام مصطفیٰ کھر [illegible] کی اسیری [illegible] انہی کو [illegible] کنونشن میں شریک [illegible] وزیراعظم پاکستان اور اپنی طرف سے سیاسی اسیران کی



نواز شریف عوامی مینڈیٹ سے قطع نظر دورِ آمریت کی پیداوار ہیں

بے مثال جدوجہد کو خراج تحسین پیش کیا۔ مصطفیٰ کھر کی آمد سے چند گھنٹے پیشتر ہمیں یہ پیشکش کی گئی کہ مصطفیٰ کھر کی بجائے جہانگیر بدر کو آج کا مہمان خصوصی بنایا جائے تو وہ ہر ضلع میں سیاسی اسیران کے لئے ایک ایک کروڑ روپے تک کے صنعتی اور زرعی پروجیکٹ اپنی نگرانی میں ایک ماہ کے اندر اندر نہ صرف منظور کروا دیں گے بلکہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے ان پر تعمیراتی کام کی ابتدا بھی کر دی جائے گی۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو یہ بخوبی احساس تھا کہ جو شخص اسے فرش سے عرش پر بٹھا دینے والی ہماری قائد محترمہ سے مخلص نہیں ہو سکتا اسے ایران جمہوریت کے ننگ زحر گ قاطع سے اپنے مفادات کے لئے خون کا آخری قطرہ نچوڑ لینے کے علاوہ اور کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اسی صورتحال میں اس وفاقی وزیر کے منصوبے کے تحت آئی جے آئی کے ڈس انفارمیشن سیل نے ایران جمہوریت کے خلاف وہ مہم شروع کی جس کے مطابق آج ملک میں چلنے والی ہر گولی میں اور میرے ساتھی چلا رہے ہیں جنہیں پچھلے سوا سال سے یہ خبر نہیں ہوئی کہ آیا وہ اپنے اگلی صبح کے کھانے اور سرائے کے منحنی بستر کا خرچ دے سکیں گے یا نہیں!

کنونشن کے آخری روز پارٹی کے سیکرٹری جنرل شیخ رفیق احمد بھی تشریف لائے جنہیں سندھ، بلوچستان، سرحد، قبائلی علاقہ جات اور شمالی علاقہ جات سے آئے ہوئے فاقہ مست اسیران نے جن میں خاصی تعداد خواتین اسیران کی بھی تھی، محض اس لئے سنے سے انکار کر دیا کہ انہیں شیخ صاحب سے شکوہ تھا کہ جب اسیر جیلوں میں تھے تو شیخ صاحب نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ کوئی مجھ سے پوچھ کر جیلوں میں گئے تھے اور جب جیلوں سے رہا ہوئے تو شیخ صاحب کے بعد پارٹی کا تیسرا سینئر ترین عہدیدار ہونے کے باوجود انہوں نے ملک بھر میں دکھوں اور مصائب کا شکار ان اسیران کے سر پر سے کبھی دست شفقت بھی نہ رکھا! شیخ صاحب کے ساتھ کنونشن میں پاکستان پیپلز پارٹی کے سینٹرل سیکرٹریٹ کے انچارج شیخ منصور بھی تھے۔ شیخ منصور نے کنونشن سے دو روز پیشتر ہمیں بتایا کہ وزیراعظم نے کراچی سے براہ راست دو بار اس سے بات کی ہے اور ذاتی حکم دیا ہے کہ سابقہ سیاسی اسیران کو پارٹی دفتر سے نکال دو اور اگر نہیں نکلتے تو طاقت کے ذریعہ دفتر خالی کروا لیا جائے۔ شیخ منصور کو ان سیاسی قیدیوں نے جنہوں نے دس سے گیارہ سال تک طویل سزائیں بھگتی تھیں تھپڑ اور دھکے مار کر ہال سے باہر نکال دیا۔ ہمیں اس پر کوئی خوشی نہیں لیکن صبر کی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ ہمارے خلاف پارٹی دشمنی کا الزام لگایا گیا ہمیں نوز تھا انٹیلی جنس ایجنٹ کہا گیا۔ ہم پہ الزام لگا کہ نواز شریف اور تحریک استقلال کنونشن کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ ہمارے خلاف متوازی تنظیم بننے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ اب تک جہانگیر بدر اور سازشی گروہ سیاسی اسیران کو تقسیم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بجائے اس کے کہ ان کے مسائل کا حل ڈھونڈا جاتا۔ زخموں پر مرہم رکھا جاتا۔ شطرنج کی بازی سمجھ کر ایک انتہائی سنجیدہ اور پارٹی کے لئے بہت اہم سیاسی عمل کو بیہودہ مذاق اور سازشوں کے حوالے کر دیا گیا۔ ہم نے آخری لمحے تک پارٹی کی عزت اور وقار کی خاطر خاموشی، عاجزی اور مفاہمت سے کام لینے کی کوشش کی لیکن یہ ہمارے اور وزیراعظم کے خلاف سازشوں کا حصہ تھا کہ حالات ہر قیمت پر بگاڑے جائیں۔

ایران جمہوریت اور پارٹی کارکنوں کے کاز سے پارٹی کے بہت سے مقتدر اصحاب کو بھی ہمدردی رہی ہے لیکن دوسرا المیہ یہ رہا کہ محترمہ وزیراعظم تک پہنچ جن لوگوں کے ذریعہ ہو سکتی تھی وہ بھی اس سازش میں حصہ دار بن گئے۔ آج پیپلز پارٹی کا سب سے بڑا المیہ یہ بن چکا ہے کہ پارٹی کے اندر سچائی کی سزا سیاسی موت قرار دے دی گئی ہے اور موت ان اشخاص کی جن کا نہ اس پارٹی کو بنانے میں کوئی حصہ تھا اور نہ مارشل لاء کے دور میں اسے زندہ رکھنے میں

کن کردار۔ وزیر اعظم کی پولیٹکل سیکرٹری مس ناہید خان جنہیں پارٹی کے خاص و عام ڈپٹی پرائم منسٹر کے نام سے یاد کرتے ہیں کے متعلق کوئی بات کرنا آج سیاسی موت کے مترادف بن چکا ہے لیکن ہم سابقہ سیاسی اسیر یہ سمجھتے ہیں کہ ملک کی خاطر محروم طبقات کی خاطر، بھٹو سیاست اور بھٹو قیادت کی خاطر ہم سچائی کا پرچم بلند کریں گے۔ خواہ اس جرم کی سزا سیاسی موت ہو، حادثاتی موت ہو، تباہی یا بربادی ہو، ہم اپنی قائد سے براہ راست رابطے کی تمام کوششوں میں ناکام ہو چکے ہیں۔ یہ ناکامی اسی سازش کا نتیجہ ہے جس کا بنیادی مقصد ورکر اور قیادت میں تصادم کی فضا پیدا کرنا ہے جس کا مقصد الذوالفقار کے نام پر آئی جے آئی کو اپنے مخلص کارکنوں کو کچلنے کے لئے فضا ہموار کر دینا ہے اور جس کا مقصد اپنے گھٹیا مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ مس ناہید خان نے انتہائی مایوس کن کردار ادا کیا تھا۔ ہمارے پاس اس امر کے حلفیہ ثبوت موجود ہیں۔ کہ انہوں نے اسیران جمہوریت کو اکٹھا ہو کے حالات کا تجزیہ کرنے سے روکنے کی خاطر پارٹی اور حکومت کے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے ہم نے بذات خود بھی اپنے بعض انتہائی لاچار ساتھیوں سے یہ ترکیب استعمال کرنے کو کہا تھا کہ ناہید خان جو تحریک عدم اعتماد سے قبل تک وزراء اور قومی اسمبلی کے ممبران تک سے ملنا گوارا نہ کرتی تھیں۔ آج کل سبھی در کھولے بیٹھی ہیں۔ جاؤ اور مسائل پل جھپکتے میں حل کروا لو اور واقعتاً ایسا ہوا۔ بلکہ آج بھی ہمارے بہت سے مجبور ساتھی اس ترکیب کو استعمال کر رہے ہیں اگرچہ وہ دل سے ہمارے ساتھ ہیں۔ اور وقت پڑنے پر ہماری صفوں میں ہوں گے۔ مس ناہید خان، جہانگیر بدر کی بڑی سازش کا شکار ہوئی ہیں یا نہیں، ہم وقت آنے پر ضرور اس کا انکشاف بھی کریں گے اسیران جمہوریت کے لئے کنونشن کے آخری روز اختتامی اجلاس کے بعد محترمہ وزیر اعظم کی طرف سے ایک عشائیے کا بندوبست بھی کیا گیا تھا جو یقیناً ان کے لئے باعث اعزاز ہوتا لیکن صرف چند گھنٹے پیشتر بظاہر مس ناہید خان کی طرف سے ایک پیغام آیا کہ اگر اسیران جہانگیر بدر سے معافی مانگ لیں اور ان کے ساتھ مل جائیں اسے اپنی صدارت دے دیں تو عشائیہ پھر ہی دیا جا سکتا ہے وہ اسیران جمہوریت جنہوں نے جنرل ضیاء کے جابرانہ ہتھکنڈوں کے سامنے بھٹو اور وفا زندہ اد

کے نعرے لگائے تھے ان سے ایک وقت کی روٹی کے لئے سمجھوتے کی توقع اس ذہنیت کی مکمل عکاسی کرتی ہے جس کی نمائندگی مس ناہید خان اور ان کے قبیل کے وہ لوگ کر رہے ہیں جو کل ہم اپنی قائد کو بتا دینا چاہتے ہیں۔ مسعود محمود کا کردار ادا کر رہے ہوں گے۔ مس ناہید خان کے ذاتی کردار کے متعلق بات کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن ان کا سیاسی کردار آج اس قدر اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ اس کے لمبے سائے ہمارے قائد بھٹو خاندان کی سیاست صلاحیتوں اور کردار پر بھی پڑ رہے ہیں۔ ہم اپنی سیاسی زندگی داؤ پر لگا کے اپنی قائد کو یہ کھلے الفاظ

ہم ناہید خان اور جہانگیر بدر کے رویہ پر شدید احتجاج کرتے ہیں۔

میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اس سازشی گروہ جو ملک بھر کی نفرت اور حقارت کا نشانہ بن چکا ہے اپنی سیاسی عزت اور وقار بچانے کو تحفظ دینے کے لئے اب ان کے پاس کوئی وقت مزید انتظار کرنے کے لئے نہیں بچا۔ مس ناہید خان کے کردار کے اس حصے کے متعلق جس کے سائے بھٹو قیادت اور عوامی مفادات پر پڑ رہے ہیں۔ ہم بہت جلد دستاویزی ثبوت پوری قوم کے سامنے پیش کر دیں گے۔

ہمارے لئے یہ صورتحال یقیناً دکھ اور افسوس کا باعث ہے۔ ہم قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ ان کپڑوں کو سرعام یوں دھویا جاتا، لیکن المیہ تو یہ ہے کہ ہمارے لئے اس کے سوا سبھی راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔ وزیر اعظم اسیران جمہوریت ان کی سوچ اور مقاصد سے پوری طرح متفق ہونے کے باوجود ان سازشوں سے بے خبر ہیں جنکی مختصر سی تفصیل میں آپ کو دے رہا ہوں اس وقت ملک بھر میں نا صرف سیاسی اسیر بلکہ عام ورکر بھی صورت حال سے مکمل طور پر نالاں اور بیزار بیٹھا ہے ۔۔۔ لاوا کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔ رسم وفا

اور پاس عہد کا یہ تقاضا تھا کہ ہم اپنی قائد کو ہر وقت صورت حال سے مجبوراً سرعام مطلع کر دیں اور ہم بے خوف و خطر آج یہ فرض نبھا رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ قائد محترمہ صورت حال کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے اس سلسلے میں فوری اقدامات کریں گی۔

پریس کانفرنس میں سیاسی اسیران کے اس مختصر سے گروہ کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جو چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر مجموعی کاز سے روگرداں نظر آ رہے ہیں ہم اپنے ان دوستوں کی مجبوریوں سے بخوبی آگاہ ہیں لیکن انہیں یہ بتا دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ مجموعی مفادات کے خلاف ذاتی اغراض کی خواہشات ان کی گیارہ سالہ جدوجہد پر مکمل پانی پھیر دیں گی۔ اس وقت سوال بھٹو قیادت اور پارٹی منشور کی بالادستی کا ہے۔ سوال ان لوگوں کی بقا کا نہیں جو انہیں اپنے مفادات کی خاطر استعمال کر رہے ہیں اور اس ہنر میں طاق ہیں لیکن کل وقت پڑنے پر وہ ہر صورت مسعود محمود کا کردار ادا کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ اسیران جمہوریت اور پارٹی کارکنوں کے اجتماعی مفادات سے روگردانی کرنے والا کوئی بھی فرد خواہ وہ خود بھی قربانیوں کا سمبل رہا ہو آنے والے دور میں نہ اپنی سیاسی قبا بچا سکے گا۔ اور نہ قائدانہ ساکھ، اخباری بیانات کی حد تک کی زندگی کسی سیاسی ورکر کے لئے کبھی باعث افتخار نہیں ہو سکتی۔

آج کی اس پریس کانفرنس کا فوری سبب ایک مقامی روزنامے میں ایک خبر بنی کہ "سیاسی اسیران وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے باہر بھوک ہڑتال اور احتجاجی مظاہرہ کر رہے ہیں"۔ یہ خبر اسی سازشی گروہ کے گھٹیا اذہان کی تخلیق تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس روز یہ خبر لگی اس روز اسیران جمہوریت کی کمیٹی کی مس ناہید خان اور شیخ رفیق احمد سے مفصل ملاقاتوں کا پروگرام طے ہو چکا تھا وہ ملاقاتیں کیوں نہ ہو سکیں اس کے متعلق ہم اپنے خیالات اپنی قائد محترمہ بے نظیر بھٹو کیلئے محفوظ رکھتے ہیں۔ ان ملاقاتوں کا نہ ہونا ہمارے لئے معمولی اہمیت کا حامل ہو تا مگر نہیں بہرحال سازشی گروہ نے ہماری بے خبری کے عالم میں پہلے بھوک ہڑتال کی خبر شائع کروائی اور اگلے روز یعنی ۳ مارچ کو کچھ سیاسی اسیران کی طرف سے یہ خبر کہ ان کا احتجاجی اقدامات سے کوئی تعلق نہیں ظاہر ہے کہ یہ سب اسی سازش کا حصہ ہے جس کے تحت ورکر اور قیادت کے درمیان غلط فہمیاں اور تصادم کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے

مفادات حاصل کئے جا رہے ہیں ہم یہاں یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ان خبروں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ۵ تاریخ کو وزیر اعظم ہاؤس کے باہر کوئی مظاہرہ ہوتا ہے ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ البتہ تازہ ترین صورت حال میں جب کہ سازشی گروہ مسلسل جارحیت پہ تلا ہوا ہے اور وہ قائد کو ملک بھر کے مخلص ترین ورکروں سے بدگمان کرنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں ہم اپنی پوزیشن کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات اور تجاویز اٹھا رہے ہیں۔

۱۔ ملک بھر کے پارٹی ورکرز اور سیاسی قیدی یہ کال دی جا رہی ہے کہ وہ سازشی عناصر کے خلاف پارٹی اور بھٹو قیادت کے وقار کے تحفظ کی جنگ میں صف بندی شروع کر دیں ہم مناسب وقت پہ لیکن بہت جلد اس سلسلے میں عملی اقدامات اٹھائیں گے۔

۲۔ اگر پولیٹیکل بیوروکریسی اور سازشی عناصر ورکر اور قائد کے درمیان دیوار بنے رہے تو پھر ہم نہ صرف اسلام آباد بلکہ ملک بھر میں پارٹی دشمنوں کے خلاف راست اقدام کریں گے اس اقدام میں ہمیں دانشوروں، طلباء، کسانوں، مزدوروں اور عورتوں ہر ایک کی مکمل حمایت حاصل ہوگی۔

۳۔ ہم پارٹی کی خاطر بھٹو قیادت کے عزت و وقار کی خاطر اور پارٹی ورکرز کی عزت نفس کی بحالی کی خاطر اپنی قائد محترمہ بے نظیر بھٹو سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ سازشی عناصر کو فوری طور پر سبکدوش کر کے اپنے اور عوام کے درمیان کی دیوار برلن کو ختم کر دیں۔

اسیران جمہوریت نے پھانسی کے سامنے جئے بھٹو کے نعرے لگائے۔

۴۔ ہم مس ناہید خان اور مسٹر جہانگیر بدر کے ملک بھر کے اسیران جمہوریت اور پارٹی ورکروں کے خلاف انتہائی ذلت اور توہین آمیز رویے کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہوئے اپنی قائد سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف اعلیٰ سطح کا ایک پارٹی کمیشن بٹھائیں جو نا صرف اس معاملے میں بلکہ ان کے اس کردار کے متعلق مفصل تحقیقات کرے۔ جو حکومت اور قیادت کی مسلسل بدنامی کا باعث بنا ہوا ہے اسیران جمہوریت اور ملک بھر سے ہزاروں لاکھوں پارٹی ورکرز ان کے خلاف بے شمار معاملات میں زبانی اور دستاویزی ثبوت مہیا کریں گے۔

آخر میں ہم اپنی چیئرپرسن محترمہ بیگم بھٹو صاحبہ اور وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کو ملک بھر کے ہزاروں اسیران جمہوریت کی طرف سے تمام معاملات ان کی مکمل اور غیر مشروط حمایت کا یقین دلاتے ہیں ہم یہ تجدید عہد بھی کرتے ہیں کہ ہم اپنے خون کا آخری قطرہ بھی ان مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کریں گے جن کی خاطر شہید بھٹو کال کوٹھڑی سے پھانسی کے پھندے تک گئے۔ یہ گلے شکوے ہم نے کھل کر صرف اس لئے کئے ہیں کہ ہمارے لئے باقی تمام راہیں مسدود کر دی گئی تھیں۔ اور ہم کسی صورت بھی موجودہ خطرناک صورتحال میں وہ رول ادا نہیں کرنا چاہتے ہیں جو ان لوگوں نے ادا کیا جب قائد شہید کو اس قسم کے حالات میں پھانسی کے پھندے کی طرف بڑھ رہے تھے سازشی عناصر قیادت اور ورکرز کے درمیان ایک ایسی خلیج کو مزید وسعت دے رہے ہیں جو جمہوریت دشمنوں کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اشد ضروری ہے۔ ان حالات میں خاموشی جرم ہوگی آپ نے اسمبلی کے ممبران یا پولیٹیکل بیوروکریسی کا مقدر بدلنے کا حلف نہیں اٹھایا آپ کی کمٹمنٹ عوام سے ہے اور پارٹی ورکرز اور اسیران جمہوریت ہی ان کے اصل نمائندے اور روپ ہیں ہم اعتماد دیانتداری اور اخلاص سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ اپنی "جدوجہد کی باقیات" ورکرز اور پرزنرز کی قیادت کرتے ہوئے آگے بڑھیں گی تو مارشل لاء کی باقیات صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گی۔ لیکن اگر میدان سازشی عناصر ہی کے ہاتھوں میں رہا تو تاریخ یقیناً ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرائے گی ہم اگرچہ تب بھی آپ کے ساتھ ہوں گے کوئی اور نہ ہوگا۔ . . . . . . اس موقع پر غلام مصطفےٰ میمن کنونیئر سندھ کمیٹی، کامران حیدر کیانی کنونیئر سرحد کمیٹی، لیاقت علی عمرانی کنونیئر بلوچستان کمیٹی، محمد شفیع کنونیئر پنجاب کمیٹی، محمد حسین کنونیئر قبائلی علاقہ جات بھی موجود تھے۔

●●

کوئی حاکم سندھ سے اردو بولنے والے سندھیوں کو نہیں نکال سکتا

پاکستان مسلم لیگ لقمان خیرپور کے صدر سید محمد کاظم شاہ نے ایک اخباری بیان میں حاکم علی زرداری کے اس بیان جس میں انہوں نے کہا ہے کہ سندھ سے اردو بولنے والوں کو نکال دیا جائے گا۔ کی پرزور مذمت کی ہے، انہوں نے حاکم علی زرداری کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اردو بولنے والوں کو سندھ سے نکالنے کے بجائے خود بلوچستان جانے کی تیاری کریں کیونکہ ایسے ہی لوگوں نے سندھ اور سندھیوں کا استحصال کیا ہے، کیونکہ زرداری صاحب پی پی پی کا جھنڈا ہاتھ میں اٹھا کر اپنی سابقہ جماعت "عوامی نیشنل پارٹی" کا پرچار کرتے ہیں اور سندھ کی سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنا رہے ہیں سندھ کے باشعور عوام حاکم علی زرداری جیسے جاگیر دار کے دھوکے میں نہیں آئیں گے سید کاظم علی شاہ نے کہا کہ زرداری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اردو بولنے والوں نے اپنے خون کا نذرانہ دیکر اس ملک کو حاصل کیا ہے اور سندھ صوبہ پاکستان ہی کا ایک گوشہ ہے کاظم شاہ نے کہا کہ سندھ میں غیر سندھیوں کے صنعت لگانے سے متعلق حاکم علی زرداری نے منع کیا ہے دراصل زرداری صاحب کیونکہ خود جاگیردارانہ ذہن رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ سندھ میں صنعتوں کے قیام کے مخالف ہیں اور سندھ کے عوام کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں لیکن سندھ کے غیور عوام زرداری صاحب کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہونے دیں گے۔ بیان میں انہوں نے اپنے اردو بولنے والے سندھی بھائیوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اشتعال میں نہ آئیں کیونکہ کوئی حاکم سندھ سے اردو بولنے والے سندھیوں کو نہیں نکال سکتا۔

●●

خدا کی شان

مرسلہ: شاہد احمد، نیو کراچی

حضرت ابراہیم ادھمؒ ایک مرتبہ موسم سرما میں یخ بستہ پانی کو (جس نے برف کی شکل اختیار کر لی تھی) توڑ کر نہائے اور پوری شب مشغول عبادت رہے اور صبح کو جب ہلاکت آمیز سردی محسوس ہونے لگی تو آپ کو آگ کا خیال آیا اور ابھی اس خیال میں تھے کہ ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے پشت پر گرم پوستین ڈال دی ہو جس کی وجہ سے پرسکون نیند آ گئی اور جب بیداری کے بعد دیکھا تو ایک بڑا اژدھا تھا جس کی گرمی نے آپ کو سکون بخشا۔ یہ دیکھ کر آپ خوفزدہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ تو نے اس کو میرے لئے وجۂ سکون بنایا لیکن اب یہ قہر کے روپ میں میرے سامنے ہے۔ یہ کہتے ہی اژدھا پھن زمین پر مارتا ہوا غائب ہو گیا۔

شیخ طریقت، مفتی اعظم حضرت

علامہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی

ظفر اقبال انصاری

سرزمین دہلی پر عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس شمع روشن کرکے اپنی سیرت و کردار کے روشن نقوش کے ذریعے جن بزرگان باصفا نے شریعت و طریقت کے میدان میں مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کی رہنمائی فرمائی اور اپنی پوری حیات پاک پیغام حق کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کردی ان میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت علامہ مولانا رضا علی خان، حضرت علامہ مولانا نقی علی خان حضرت علامہ مفتی شاہ محمد مسعود شاہ، حضرت علامہ مفتی محمد سعید حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان محدث بریلوی، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی، حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خان کے علاوہ حضرت استاذ القراء شیخ طریقت، رہبر شریعت مفتی اعظم علامہ مولانا مفتی محمد مظہر اللہ شاہ نقشبندی مجددی چشتی صابری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ دہلی کے ممتاز عالم و فقیہہ حضرت علامہ مفتی شاہ محمد مسعود مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت مفتی محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۱۵ر رجب المرجب ۱۳۰۳ھ/ ۱۲ر اپریل ۱۸۸۶ء کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ۱۸۸۹ء میں آپ کے والد ماجد وصال فرماگئے اور دوسرے ہی سال ۱۸۹۰ء آپ کی والدہ ماجدہ بھی انتقال کرگئیں ۴ سال کی عمر میں آپ یتیم و یسیر ہوگئے اور ابتداء ہی سے آپ کی حیات پاک میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلوے نظر آنے لگے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے محبوبوں کو بے سہارا بناکر پھر اپنا سہارا عطا فرماتا ہے تاکہ اس کے محبوب اسی ہی کی جانب راغب و متوجہ رہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ عزوجل کا سہارا مل جائے تو پھر اس کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔

مجھے چھوڑ کر در کو تیرے جائے کہاں تیرا گدا
مجھے مجھ سا مانگتا ہوں اپنے جلوے کر عطا

والدین کے وصال کے بعد آپ کے جد امجد نے کفالت فرمائی مگر ابھی آپ کی عمر شریف صرف ۶ برس تھی کہ جد امجد حضرت علامہ مفتی شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۱ء میں وصال فرما گئے۔ چنانچہ جدہ ماجدہ نانی جان صاحبہ علیہا الرحمۃ نے اپنی کفالت میں لے لیا، ۱۸۹۸ء میں یہ بھی رحلت فرماگئیں۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۱۳ سال کی تھی۔ ۱۸۹۸ء سے عم محترم حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کفالت فرمائی آپ نے ان ہی کی کفالت میں تعلیم مکمل کی اور ازدواجی زندگی کا آغاز فرمایا۔

قرآن مجید حفظ فرمانے کے بعد دہلی و اطراف دہلی کے معاصر علماء کرام سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل فرمائی چونکہ آپ کو کتب بینی کا بے حد شوق تھا اور علم دین سیکھنے سے متعلق ایک چنگاری آپ کے اندر سلگ رہی تھی چنانچہ جب آپ نے ذاتی مطالعہ شروع کیا تو وہ مکمل بھڑک گئی اس کے بعد ذاتی مطالعہ سے مختلف علوم و فنون میں وہ کمال پیدا کیا کہ باید و شاید بالخصوص فن فتویٰ نویسی میں وہ مہارت پیدا کی کہ معاصرین میں منفرد نظر آنے لگے۔ ("فتاویٰ مظہری" جو کہ تین تین سو صفحات کی تین جلدوں پر مشتمل ہیں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں)

> "فتاویٰ مظہری"
> جو تین جلدوں پر مشتمل ہے
> اور فن فتویٰ نویسی میں
> آپ کی مہارت کا
> منہ بولتا ثبوت ہے

۱۸۹۸ء میں عارف کامل حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (آپ حضرت مفتی مظہر اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد حضرت مفتی محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ طریقت حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند اور حضرت مفتی محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید تھے۔) کی طلب خاص پر حضرت مولانا رکن الدین شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہ (آپ حضرت مفتی محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفاء میں تھے۔ آپ کا عرس شریف ہر سال حیدرآباد سندھ میں ۲۰ر اور ۲۱ر شوال المکرم کو منایا جاتا ہے۔) کے ہمراہ آپ کے آستانہ مبارکہ (ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب، بھارت) میں حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت حضرت مفتی مظہر اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف ۱۳ برس تھی جبکہ بعض جگہ ۱۲ر برس کی بھی روایت ملتی ہے۔

حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے "سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ" میں بیعت فرمایا اور ایسی توجہ خاص سے نواز کہ بے خود کردیا آپ مرشد کامل کی صحبت میں رہنے لگے مگر اگلے ہی سال حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال شریف ہوگیا (آپ کا مزار مبارک بمقام مکان شریف، ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب بھارت میں واقع ہے۔ سرحد پاکستان سے مزار شریف کا منظر بڑا دل افزاء معلوم ہوتا ہے) تو آپ کی روحانی تربیت حضرت شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور بفضلہٖ تعالیٰ چاروں سلاسل میں اجازت و خلافت سے نوازا (حضرت شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک الور شریف راجستھان، بھارت میں مرجع خلائق ہے)

علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد حضرت مفتی اعظم مفتی مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ بیعت و ارشاد کا آغاز فرمایا تو بے شمار لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے آپ کے مریدین و معتقدین نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ بلادِ اسلامیہ میں پھیلے ہوئے ہیں آپ کے سفراء و خلفاء کی تعداد بھی کافی ہے جو کہ برصغیر پاک و ہند میں موجود

[illegible]

حضرت مفتی اعظم [illegible]

[illegible]

☆ اپنے شاگردوں کو بھی اپنے پیر کی [illegible] کی تلقین [illegible]

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد مظہر اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جیتا جاگتا نمونہ تھے آپ کی حیات مبارکہ پر عشق الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غالب تھا [illegible] الغرض ہر گھڑی ان کی [illegible] کے لیے وقف رہتی تھی۔

آپ فنا فی الرسول تھے فنائیت کا یہ عالم تھا کہ [illegible] سال [illegible] سے [illegible] سال [illegible] تک [illegible]

سبحان اللہ جب تصوّر کا یہ عالم ہے تو پھر محبت کا عالم کیا ہوگا؟

[illegible] کو عطائے خاص سے نوازا جاتا ہے جب مقام فنا فی الرسول سے مقام فنا فی اللہ تک پہنچے تو یہ عالم تھا کہ ۱۹۶۰ء میں حج بیت اللہ شریف کے لیے حاضر ہوئے تو [illegible] ماسوا اللہ کے نقوش دل سے ایسے محو ہو گئے کہ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ حتیٰ کہ اولاد کے نام بھی صفحۂ دل سے مٹ گئے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

آپ کے مکتوبات شریف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عشق خداوندی کی اعلیٰ منزل پر پہنچ چکے تھے [illegible]

اللہ اللہ!

ایک ایک سطر عشق میں ڈوبی ہوئی ایک ایک جملہ [illegible] عشق کے چھلکتے [illegible]

[illegible] عشق الٰہی میں [illegible] آپ کے [illegible] دل [illegible] تھے۔

چنانچہ حضرت کی جناب سے عقیدت رکھنے والے ایک ذی علم فاضل و محقق پروفیسر [illegible] مرحوم حضرت مفتی مظہر اللہ شاہ علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے استاذ گرامی حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"اور آپ کا چہرہ مبارک تصور میں لانے سے دل و دماغ یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتا ہے"

سبحان اللہ جب تصور کا یہ عالم ہے تو پھر محبت کا کیا عالم ہوگا!

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سارا وقت گویا خدا اور بندگانِ خدا کے لیے وقف ہوتا تھا کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جو اپنے نفس کے لیے صرف کیا جاتا ہو۔ آپ کے اجداد کرام نے ہر نازک وقت میں دین و ملت کی خدمت کی۔ چنانچہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے عم محترم حضرت مولانا [illegible] محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت مسجد فتح پوری دہلی میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ [illegible] دہلی پر انگریزوں کے حملے کے وقت فتویٰ جہاد پر دستخط ثبت فرمائے۔

یہ فتویٰ بہادر شاہ ظفر کے حکم سے دہلی کے تمام مطبعوں میں چھپا اور اس نے جنگ آزادی میں آزادی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی تحریک آزادی میں سرگرم رہے البتہ سیاسی معاملات میں ہمیشہ شریعت کو پیش نظر رکھا۔ تحریک خلافت کے آغاز (۱۹۱۹ء) میں کچھ عرصہ شریک رہے لیکن جب تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) کا آغاز ہوا تو اس سے علیحدہ ہو گئے اور [illegible] کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ کی بنیاد سیاسی نہ تھی بلکہ خالصتاً شرعی تھی۔

آپ نے ہمیشہ سیاسی معاملات کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھا اور اس دینی اور سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا جو ان کے معاصر علماء میں سوائے چند ایک کے کسی کو حاصل نہ تھی۔

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی سے آپ کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ قائد اعظم محمد علی جناح اور شہید ملت لیاقت علی خان سے بھی آپ کی ملاقاتیں رہیں۔ آپ نے ان قائدین کو بھی قرآن و سنت کی پابندی کی تلقین فرمائی۔

الغرض آپ نے خدا کے لیے اور خلق خدا کے لیے دین و ملت کی خدمت کی۔

وصال سے کئی سال قبل مخلوق سے بے نیاز ہو کر گوشہ [illegible]

اخبارات کے خلاف تشدد درست نہیں

جمیل احمد صدیقی

ملک وملت کی فلاح وبہبود اور عوام کی صحیح رہنمائی کے سلسلے میں اخبارات ایک موثر ترین ذریعہ ہیں اگر آزادی کی فضا میں اخبارات صحیح طور پر کام کریں تو معاشرے میں ایک انقلاب آسکتا ہے پچھلے دنوں یہ خبر پڑھنے میں آئی کہ ایک نوزائیدہ سیاسی جماعت "عوامی تحریک" نے جلسۂ سیرت کا انعقاد کیا جس میں شرکاء سے زیادہ کلاشنکوفیں نظر آرہی تھیں اور مصطفوی انقلاب کے داعی کلاشنکوفوں کے سائے میں جلوس کی قیادت کرتے نظر آرہے تھے جلوس کے اختتام پر جناب طاہر القادری کے چند خاص آدمیوں نے مسلح ہو کر روزنامہ جنگ کے دفتر کے سامنے مظاہرہ کیا اور یہ دھمکی دی کہ اگر ان کی خبروں کو جلی سرخی میں نہ شائع کیا گیا تو دفاتر تباہ کر دیے جائیں گے حالانکہ طاہر القادری جس انقلاب کے داعی ہیں اسمیں جبر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس طرح کے عمل سے ان کے نام نہاد انقلاب کا بھانڈا چوراہے پر پھوٹ گیا ہے اور لوگ سمجھ گئے ہیں کہ "عوامی تحریک" مصطفوی انقلاب کا نہیں بلکہ "دہشت گردی کا علم" ہے اور غنڈہ گردی سے اپنا وجود منوانا چاہتی ہے۔ کیونکہ اور اخبارات کے دفاتر پر بھی حملے کی خبریں منظرِ عام پر آئیں اب اس صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں، قومی اخبارات کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نظریۂ پاکستان اور نظریۂ اسلام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خبروں کی اشاعت میں ہر مذہبی اور سیاسی طبقے کو مناسب نمائندگی دیں یہی پاکستانی صحافت کا معیار ہے لیکن بدقسمتی سے آجکل ہمارے قومی اخبارات اس نظریے سے ہٹ چکے ہیں نظریۂ پاکستان اور نظریۂ اسلام کو مدِ نظر رکھنے کے بجائے مفادات اور سیاسی وابستگیوں کے چکر میں پڑ گئے ہیں ایسی صورت میں جبکہ ہر محبِ وطن مذہبی اور سیاسی طبقے کو مناسب نمائندگی نہیں ملے گی تو محرومیوں سے جذبات ابھریں گے اور قوت کے بل بوتے پر اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی ادارہ "نوائے وقت" جسے پاکستان کے ہر محبِ وطن مذہبی اور سیاسی طبقے کا اعتماد حاصل تھا اب وہ اعتماد تدریجاً ختم ہو رہا ہے کیونکہ نوائے وقت نے صحافت کی اعلیٰ روایات اور بانی مرحوم کے راستے کو چھوڑ کر مولانا عبدالستار خان نیازی کی طرح اپنا سودا نواز شریف اور جماعتِ اسلامی کے دربار میں کر دیا ہے اب "نوائے وقت" کے متعلق محبِ وطن لوگوں کی بہت سی شکایات ہیں خصوصاً سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کے پلیٹ فارم اور قائدِ اہلسنت امام شاہ احمد نورانی صدیقی کے خلاف طرزِ عمل تو سب وابستگان کے لیے ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گیا ہے

جمیعت علماء پاکستان کے رہنماؤں جناب محمد یوسف چشتی، صوفی فیض احمد چشتی، چوہدری محمد اشرف آرصی اور دیگر کئی ایسے حضرات سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے روزنامہ "نوائے وقت" کے بارے میں جو مشترکہ خیال ظاہر کیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا ہمیں اس وقت "روزنامہ نوائے وقت" پر بہت افسوس ہے کہ وہ تحریکِ پاکستان کا زبردست حامی رہا ہے مگر اب وہ [illegible]، جنہوں نے قائدِ اعظم کے ساتھ مل کر پاکستان بنایا تھا کے خلاف کام کر رہا ہے انہوں نے کہا کہ اگر نوائے وقت نے اپنا رویہ نہ بدلا تو ہم اس پرچے کا بائیکاٹ کریں گے، اور اس کے خلاف تحریک چلائیں گے۔ اب اگر قومی اخبارات کا تجزیہ کیا جائے تو روزنامہ "جنگ" غنیمت ہے اس میں تقریباً ہر طبقے کو کچھ نہ کچھ نمائندگی دی جاتی ہے اگر "جنگ" کچھ اور قدم آگے بڑھائے تو اسکی مقبولیت میں اور اضافہ ہو سکتا ہے۔

بدھ ۱۷ مارچ کے دن مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ارکان نے خودکار ہتھیاروں سے مسلح ہو کر روزنامہ جنگ لاہور کے دفتر پر اندھا دھند فائرنگ کر دی اور دفتر میں گھس کر بڑے پیمانے پر توڑ پھوڑ کی۔ جنگ پریس میں رکھی ہوئی ایک لاکھ سے زائد طبع شدہ کاپیوں کو نذرِ آتش کیا اور مشینری کو بھی نقصان پہنچایا، ایم ایس ایف کے لڑکوں نے دفتر کا فرنیچر بھی توڑ پھوڑ دیا اور سیکورٹی گارڈ کے کیبنوں اور آلات کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور وہاں موجود سیکورٹی کے عملے کو زدوکوب کیا افسوسناک امر یہ ہے کہ یہ سب کچھ پولیس کی موجودگی میں ہوتا رہا اور وہ کھڑی تماشہ دیکھتی رہی مگر اس نے کوئی کارروائی نہیں کی اس سے قبل اخبار کی انتظامیہ نے دھمکی آمیز کالیں ملنے پر اور ایم ایس ایف کے جمع کے وقت مظاہرے کے پیشِ نظر متعلقہ حکام کو آگاہ کر دیا تھا جنہوں نے ۵ پولیس والے جنگ کے دفتر پر تعینات کر دیے تھے مگر ان سرکاری پہرے داروں کی موجودگی میں حملہ آوروں کا دفتر میں گھس آنا اور آزادانہ طور پر توڑ پھوڑ اور مار پیٹ کی کارروائیاں کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

جب لاہور کے صحافیوں نے اس حملے کے خلاف ایک احتجاجی جلوس نکالا تو مسلم لیگ ہاؤس کے اندر مقیم ٹرینڈ [illegible] نے کلاشنکوفوں سے ان پر اندھا دھند فائرنگ کر دی جس کے نتیجہ میں ایک شخص گولی لگنے سے شدید زخمی ہو گیا۔ فائرنگ کی وجہ سے بجلی کے تار کٹ کر گر گئے اور واپڈا کا ایک ٹرانسفارمر دھماکے سے پھٹ گیا صحافیوں نے جو بینرز اٹھا رکھے تھے وہ بھی گولیوں سے چھلنی ہو گئے۔ مظاہرین نے سڑک پر لیٹ کر گاڑیوں کی اوٹ لے کر اور دکانوں میں گھس کر جان بچائی۔

اخبارات میں جو صحافی کام کرتے ہیں وہ فرشتے نہیں ہوتے ان سے بھی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں مگر ان کی کسی غلطی پر اور انہیں صفائی کا موقع دیئے بغیر قانون کو ہاتھ میں لینا اخبارات کے دفاتر جلانا، اخبار نویسوں کو زدوکوب کرنا، انہیں من پسند خبریں شائع کرنے پر مجبور کرنا یا عوام کے سامنے صحیح صورتحال کی منظر کشی سے روکنا نہ صرف آزاد صحافت کا گلا گھونٹنا ہے بلکہ ملک وقوم کو شدید نقصان پہنچانے کے مترادف ہے یاد رہے کہ وزیرِ اعلیٰ پنجاب ایم ایس ایف کو اپنی فورس قرار دے چکے ہیں، ہنگامے کے وقت پولیس کا خاموش تماشائی بنا رہنا اس بات کی چغلی کھاتا ہے ؎

"پیتا بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال
درپردہ چشمِ یار کی شہ پا کے پی گیا"

نوائے وقت کو اپنا رویہ بدل لینا چاہیے۔

پشاور

ع ع خٹک

نواز شریف کا فضلِ حق سے اظہارِ ناراضگی
سلیم سیف اللہ کے خاندان نے ہر حکومت کا ساتھ دیا ہے

مختلف سیاسی جماعتوں میں توڑ پھوڑ کرانے والے پنجاب کے تاج و تخت والے حکمران میاں نواز شریف ان دنوں خود اپنی جماعت میں پیدا شدہ انتشار کا سامنا کر رہے ہیں جس کو حل کرنے کے لئے انہیں کوئی راستہ نہیں نظر آ رہا ان کے قریبی ساتھی اور اسمبلیاں ٹوٹنے کے بعد ملک میں فدا لیگ قائم کرنے میں پیش پیش صوبہ سرحد کے سابق نگران وزیر اعلیٰ جنرل فضل حق کو محمد خان جونیجو نے صوبائی صدارت کے عہدے سے ہٹا دیا ہے ۲۸ فروری سے ۱۸ مارچ تک میاں نواز شریف نے تین مرتبہ محمد خان جونیجو سے ملاقات کی اور انہیں یہ فیصلہ واپس لینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن محمد خان جونیجو نے انہیں کہا کہ اب وہ اپنی فکر کریں کیونکہ مسلم لیگ کے آئین کے تحت جماعتی اور حکومتی عہدے ایک سال سے زیادہ عرصہ تک ساتھ نہیں چل سکتے پیر پگارا ابھی اس ضمن میں محمد خان جونیجو پر دباؤ ڈال رہے ہیں جبکہ پنجاب سے مسلم لیگیوں میں نواز شریف کا مخالف گروپ بھی اس مقصد کے حصول کے لئے خاصا متحرک ہے جن میں حامد ناصر چٹھہ اور راجہ نادر پرویز کے علاوہ مرکزی سیکرٹری جنرل اقبال احمد خان پیش پیش ہیں۔ وزیر اعلیٰ پنجاب جمعہ کے روز ایک شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے نوشہرہ جانے کے لئے پشاور آئے تھے تو اس نازک وقت میں جنرل فضل حق نے اپنی متزلزل پوزیشن کو سہارا دینے کے لئے پہلی مرتبہ نواز شریف کے اعزاز میں استقبالیہ کا بندوبست کیا گیا جس میں ساڑھے تین سو افراد کو شرکت کی دعوت دی گئی اور دعوت ناموں پر یہ لکھا گیا کہ کارڈ ہمراہ لانا ضروری ہے لیکن جنرل فضل حق کو یہ احساس نہ تھا کہ ان کے مرشد نواز شریف خود کن مسائل کا شکار ہیں یہی وجہ ہے کہ میاں نواز شریف نے فضل حق سے ناراضگی کیا کہ ان کی اجازت کے بغیر استقبالیہ کا اہتمام کیوں کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اتنے بڑے استقبالیہ میں بہت سے لوگوں کے آنے کے باوجود میاں نواز شریف نے خطاب سے انکار کر دیا اور مجبوراً فضل حق کو کہنا پڑا کہ یہ سیاسی اجتماع ہے اور سماجی تقریب ہے اس میں سیاسی بات یا مسلم لیگ کا مسئلہ زیرِ بحث نہیں آئے گا۔ انہوں نے نواز شریف کا غصہ دور کرنے کے لئے نواز شریف کی اتنی تعریف بلکہ خوشامد کی جو کہ انتہائی افسوس ناک تھی لیکن جنرل فضل حق اپنی عزت بچانے کی فکر میں تھے بعد ازاں میاں نواز شریف نے صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے مسلم لیگی ارکان اسمبلی سے بھی ملاقات کی اور صوبہ سرحد میں پارٹی کی تنظیم نو کا معاملہ زیرِ غور آیا۔ نواز شریف نے ارکان اسمبلی کو یقین دلایا کہ وہ مسلم لیگ کی گروپ بندی کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ نواز شریف کی موجودگی میں فضل حق کی تقریر ختم ہونے کے بعد استقبالیہ میں ایک شخص نے مسلم لیگ کی مرکزی قیادت کے خلاف نعرے بازی کرنے کی کوشش کی لیکن نواز شریف نے اس شخص کو سختی سے منع کر دیا میاں نواز شریف کو فضل حق کے استقبالیہ میں شرکت سے محمد خان جونیجو سمیت کئی لیڈروں نے روکا لیکن فضل حق ایم این اے بھی ہیں اور یہ نواز شریف کی سب سے بڑی مجبوری ہے اس لئے وہ استقبالیہ میں شرکت کے لئے تو چلے گئے لیکن انہوں نے مخالف دھڑے کو یقین دلایا کہ وہ اس استقبالیہ میں تقریر نہیں کریں گے پیر پگارا نے کہا ہے کہ نواز شریف کو فضل حق کے استقبالیہ میں شرکت سے روکنے والوں کو معلوم نہیں کہ ابھی وہ گروپ لیگ میں مدغم نہیں ہوا۔

پیر صاحب کی بات خاصی معنی خیز ہے جنہوں نے نواز شریف کو عبوری مدت کے لئے پنجاب مسلم لیگ کا صدر رہنے کی تجویز مسترد کرتے ہوئے ثالث اسلم خٹک کو کہا کہ اگر ایک وزیر اعلیٰ کو ہم اس کی اجازت دیں گے تو ہمیں ہر صوبہ میں مسلم لیگ کی صدارت کے لئے وزیر اعلیٰ ڈھونڈنا پڑیں گے۔ صوبہ سرحد میں سینیٹر سلیم سیف اللہ تنظیم نو کے کام میں تیزی سے تلے ہوئے ہیں۔ لیکن انہیں یہ بات زک پہنچاتی ہے کہ ان کے خاندان نے ہر حکومت اور اقتدار کا ساتھ دیا ہے اور اب بھی ان کی کوششیں اسی سمت میں جاری ہیں گو کہ سلیم سیف اللہ نے کئی مرتبہ اس کی تردید کی ہے لیکن پراپیگنڈہ اسی قسم کا ہو رہا ہے۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

آج جبکہ پورا ملک رشوت اور سفارش کی لپیٹ میں ہے آپ کوئی جائز کام بھی رشوت اور سفارش کے بغیر نہیں کروا سکتے۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں یہ حقیقت ہے کہ ابھی پاکستان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو خود کو تمام برائیوں اور رشوت و سفارش جیسے جال میں پھنسنے سے بچائے ہوئے ہیں۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن ڈسٹرکٹ آفس ملتان اس کی زندہ مثال ہے۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن ڈسٹرکٹ ملتان کے منیجر اپنے چہرے کو سنتِ نبویؐ سے سجائے ہوئے اور پابند صوم و صلوٰۃ نوجوان ہیں انہوں نے ڈسٹرکٹ آفس کو رشوت اور سفارش کی لعنت سے بچایا ہوا ہے ہاؤس بلڈنگ سے قرض لینے والے ضرورت مندوں کا کہنا ہے کہ ہمیں جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے ہم ڈائریکٹ ڈسٹرکٹ منیجر سے ملتے ہیں جو انتہائی شفیق اور ملنسار ہیں اور اپنے اختیارات میں رہتے ہوئے ہمارے سائل پر توجہ دیتے ہیں۔ اسی ڈسٹرکٹ آفس میں ایک اور مثال استقبالیہ پر بیٹھے ہوئے دو نوجوان ہیں جو ہر آنے والے کی پوری راہنمائی انتہائی خوش اخلاقی اور ہمدردی کے جذبے سے کرتے ہیں یہ اپنے عمل سے اس بات کو غلط ثابت کرتے ہیں کہ استقبالیہ پر بیٹھنے کیلئے لڑکیاں ہی اچھی ڈیلنگ کر سکتی ہیں غرض ہاؤس بلڈنگ ملتان کا ڈسٹرکٹ آفس اور یہاں کام کرنے والے لوگ اور خاص طور پر ڈسٹرکٹ منیجر مقبول ہمارے معاشرے کی ایک اچھی مثال ہیں اور اگر ہمارے دیگر اداروں میں بھی بعض دین دار آفیسرز موجود ہوں تو پاکستان کی کایا پلٹ سکتی ہے اور سائل ہر دفتر سے بامراد اور خوش لوٹ سکتا ہے۔ ڈسٹرکٹ آفس میں ہر کام بغیر رشوت و سفارش کے اپنے مقررہ طریقہ کار کے مطابق نہایت آسانی سے انجام پاتا ہے۔

○ ادارہ "فکر نو" کے زیر اہتمام اختر سعیدی کے مجموعہ "چراغ جلنے تک" کی رونمائی

○ مجلس احباب ملت نارتھ کراچی کا ماہانہ طرحی مشاعرہ!

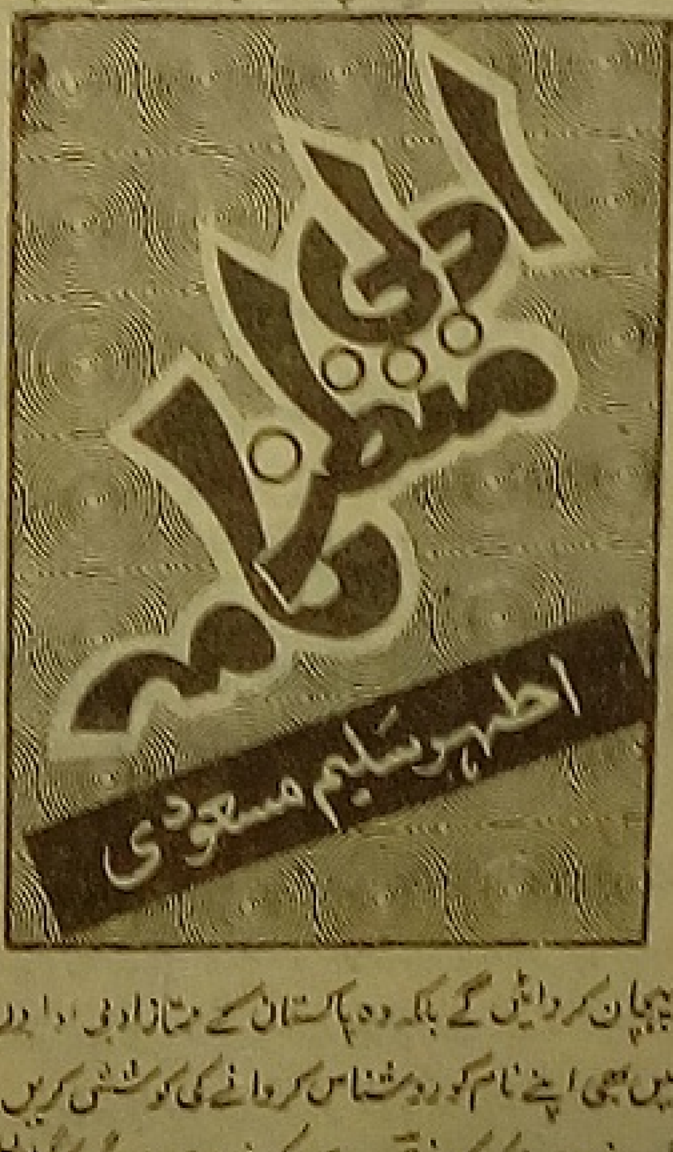
○ بزم نو اورنگی کا ایک مشاعرہ

گلشن اقبال بلاک ... سوسائٹی میں ادارہ "فکر نو" کے زیر اہتمام کراچی کے ممتاز شاعر جناب جوہر سعیدی کے فرزند اختر سعیدی کا شعری مجموعہ "چراغ جلنے تک" کی رونمائی کی تقریب منعقد ہوئی۔ صدارت مشہور اسکالر اور ادبی شخصیت ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے کی جبکہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی کے جلیل القدر صاحبزادے جناب ایس ایچ ہاشمی مینیجنگ ڈائریکٹر ایڈورٹائزرز ... مہمان خصوصی تھے جن کی ادب نوازی کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔

تقریب رونمائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کی سعادت قاری ادریس صاحب نے حاصل کی۔ تلاوت کے بعد ادارہ "فکر نو" کے نگران اعلیٰ جناب نور احمد میرٹھی نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہا۔ انہوں نے اس موقع پر فرمایا کہ ادارۂ فکر نو ایک ایسا ادارہ ہے جو ایک قلیل عرصے میں دس کتابیں شائع کر چکا ہے جن میں شعراء و ادباء حضرات شامل ہیں۔ انہوں نے جواں فکر شاعر اختر سعیدی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اختر سعیدی اپنے دوستوں کا ایک وسیع حلقہ بھی رکھتے ہیں۔ جو ہر آن ان کے ارد گرد رہتا ہے۔ نور احمد صاحب نے شعرائے کرام اور خصوصاً صدر محترم ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور مہمان خصوصی جناب ایس ایچ ہاشمی کا شکریہ ادا کیا۔

تحریک پاکستان کے کارکن اور "لے کے رہیں گے پاکستان" کے خالق جناب سید یاور حسین (کیف بنارسی) نے اختر سعیدی کے کلام پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ آج کل لانڈھی اور کورنگی گہوارۂ ادب بن گیا ہے اور یہاں پر دہلی اور لکھنؤ کا گمان ہوتا ہے۔ اب یہاں ادبی شخصیات کی کمی نہیں رہی۔ ان شخصیتوں نے یہاں ادب کی قندیل کو روشن کیا ہے۔ ان ہی شخصیات میں ایک ایسا نام بھی ہے جو اختر سعیدی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ انہوں نے اس موقع پر اختر سعیدی کے پہلے مجموعۂ کلام "چراغ جلنے تک" پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اختر سعیدی نے تشنگان ادب کی پیاس بجھائی ہے۔ کیوں نہ ہو وہ اپنے والد محترم جناب جوہر سعیدی کے نقش قدم پر چل کر انہوں نے ادب کا آغاز کیا ہے جو ایک ... اور منفرد شاعر بھی ہیں۔

مشہور ادیب اور شاعر پروفیسر سحر انصاری نے اختر سعیدی کے مجموعہ کلام پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اختر سعیدی نہ صرف کراچی کے ادبی حلقوں میں اپنی



پہچان کروائیں گے بلکہ وہ پاکستان کے ممتاز ادبی اداروں میں بھی اپنے نام کو روشناس کروانے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اختر سعیدی کی شاعری زندگی کی گہرائیوں کو پہنچ کر ایک منفرد مقام حاصل کرتی ہے۔ پروفیسر سحر انصاری نے کہا کہ اختر کو شاعری ان کے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملی ہے۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کی یہ پہلی تخلیق ایک نقش بن کر ابھرے گی۔ کیونکہ ان کے عزائم بلند ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اختر اپنے سفر میں نئی منزلوں کی تلاش جاری رکھے گا۔

سحر انصاری کے بعد ممتاز نقاد جناب احمد ہمدانی نے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ اختر سعیدی اپنے والد ماجد جناب جوہر سعیدی کی طرح تخلیقی گھٹن سے آزاد ہو کر اپنے اشعار میں لفظوں کے پیچ و خم کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

اس تقریب رونمائی کے مہمان خصوصی علم و ادب کی ... شخصیت جناب ایس ایچ ہاشمی جو مشہور اسکالر اسلامی ادب کے محقق مولانا عبدالقدوس ہاشمی کے لائق صاحبزادے بھی ہیں۔ موصوف نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ایسے علاقے میں جہاں روز بروز وحشت اور بربریت و درندگی کا مظاہرہ ہو رہا ہو ان ناساز حالات میں علم و ادب کی لو فروزاں رکھنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔ ہاشمی صاحب نے کہا کہ غزل بڑی ظالم صنف ہے۔ لیکن میں نے اختر سعیدی کے مجموعہ "چراغ جلنے تک" کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اختر کے ساتھ سارا زمانہ چل رہا ہے۔ انہوں نے اختر سعیدی کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ اختر سعیدی کی شاعری پر جن قابل احترام ادبی شخصیتوں نے اظہار خیال فرمایا انہوں نے اختر سعیدی کو ایک سند عطا کر دی ہے جس سے ان کی شخصیت اور بھی اجاگر ہو جاتی ہے۔

مہمان خصوصی کے بعد صدر محفل مشہور اسکالر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اختر سعیدی کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ذہنی ہیجان کے اظہار کا یہ بھی ایک طریقہ ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موقع پر شاعر و ادیب اپنی نگارشات کے ذریعہ معاشرے میں بھرپور کردار ادا کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس تقریب میں تمام احباب شامل ہیں اور وہ سب کے سب اختر سعیدی کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں جس سے ان کی ادبی کاوشوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور ان سے بہت کچھ توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب کے آخر میں تمام حاضرین اور منتظم مجلس جناب نور احمد میرٹھی کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر میں اس رنگین محفل میں شامل نہ ہوتا تو مجھے مدتوں ملال رہتا۔ اس تعارفی تقریب کے بعد اختر سعیدی کو کلام شاعر بزبان شاعر کی دعوت دی گئی۔ اختر سعیدی نے بڑی خوبصورت غزلیں سنا کر حاضرین محفل سے داد تحسین

حاصل کی، ان کے چند اشعار جو نمونہ کے طور میں آپ کے پیش خدمت کرتے ہیں۔

"تقدیر جاگ اٹھی میری رہبری کے لئے"
اک آئینہ بھی پیش کردار کھا دیا

ہر شخص کے چہرے پہ خوشی کھیل رہی تھی
پر کیف گھڑی کی فضا رات گئے تک

تنہائی میرے پاؤں کی زنجیر بنی تھی
میرا بھی کوئی حلقۂ احباب نہیں تھا

ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی کی رہائش گاہ، ناظم آباد کراچی میں مجلس احباب ملت کے زیر اہتمام نعتیہ طرحی مشاعرہ منعقد ہوا۔ بارگاہ رسالت مآب کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے کراچی اور اس کے مضافات سے شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔ بزرگ شاعر اختر سلام پوری نے مشاعرہ کی صدارت کی۔ قاری سید حبیب اللہ حبیب نے تلاوت قرآن حکیم سے سرفراز فرمایا۔ ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی نے مصرع طرح پر نعت رسول مقبول پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ جن شعرائے کرام نے اس بابرکت اور مقدس محفل میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل کی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

جمیل عظیم آبادی، عابد شاہ جہانپوری، افتخار احمد شاہین، نعیم الرحمن، قمر وارثی، نعیم احمد نعیمی، جمیل عظیم آبادی، عبدالمجید، حبیب اللہ حبیب، حافظ اقبال، رضی عظیم آبادی، شگفتہ، تنویر اشرف، احمد علی، اور حامد علی شامل تھے۔

طرحی نعتیہ مشاعرہ کے چند اشعار بطور نمونہ:

"وہ آئے تو شمس و قمر بن کے آئے"

مری چشم تر میں وہ جلوہ ہی جلوہ
کہ ہر آنکھ میں شمس و قمر بن کے آئے (جہاں ... جمیل)

مری آرزو ہے کہ محفل میں نعتیں
ہر اک نعت خوشبو بن کے آئے (رضی عظیم آبادی)

وسیلے سے ان کے دعا مانگتا ہوں
وہ آئے تو باب اثر بن کے آئے
(افتخار احمد شاہین)

ہدایت بنی بن گئی سو بصیرت
وہ آنکھوں میں جب سے نظر بن کے آئے
(احمد علی ...)

اُلفت کو آئے بہم ...
... شہر بن کے آئے
(قاری حبیب اللہ حبیب)

... کا پتہ تو
وہ رحمت کا ایسی نظر بن کے آئے
(نعیم الرحمن ...)

محبت کا عالم نبی اللہ اللہ
... بن کے آئے
(قمر وارثی)

جلے دھوپ میں ...
وہ رحمت کا ایسا شجر بن کے آئے
(عابد شاہ جہانپوری)

ہے معراج انساں ہمارے نبی
... بن کے آئے
(ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی)

ہمیں بھی ملا فیض اس ... سے
مدینے سے ہم بھی قمر بن کے آئے
ہمارے نبی کا ہے یہ معجزہ بھی
وہ آئے تو شمس و قمر بن کے آئے
(صدر محفل اختر سلام پوری)

"بزم قو" اورنگی کا ایک شاعرہ زیر صدارت قمری کانپوری منعقد ہوا۔ اس مشاعرے میں عابد شاہ جہانپوری مہمان خصوصی تھے جو ایک منجھے ہوئے اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اس مشاعرے کی خصوصیت یہ ہے کہ ہنگامی طور پر منعقد کیا جانے والا مشاعرہ تھا جو بڑی دھوم دھام کا کہا جا سکتا ہے۔ نظامت کے فرائض جناب مشتاق شبنم نے انجام دیئے جن شعرائے کرام نے اس محفل میں حصہ لیا ان کے نام یہ ہیں:

حامد شاہ حامد، ... ، ...
نعیم احمد نعیمی، قمری کانپوری، عابد شاہ جہانپوری، ... امروہوی، مشتاق شبنم، انور فرہاد، شوکت عظیم آبادی
اس مشاعرے کے چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں۔

میری غربت کے تقدس کا بھرم کیا ٹوٹا
میں کہ خود ٹوٹ گیا شیشۂ پندار کے ساتھ
(صدر مشاعرہ قمری کانپوری)

عجیب لوگ مرے شہر کو نباہ دیں ہیں
ستم زدہ ہیں ستمگر کو اختیار دیں ہیں
(مشتاق شبنم)

جمہوریت میں مخلصانہ اخوت

محمد عمران حبیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو حکومت قائم ہوئی اس کے بعد خلافت میں ایک خاص صورت پیدا ہوئی۔ اس پیغام نے ایک ایسے طبقے سے ملاقات کی زندگیوں کو جلا بخشی جو زندگی کے رموز و تغیرات سے بالاتر تھے جنہوں نے سیاسی امور کو اخلاقیات کی بنیاد پر استوار کیا۔ مسلمانوں کے دلوں میں اس واقعہ کی یاد آج بھی تازہ ہے جب ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہونے والی جنگ کے متعلق مشورہ فرما رہے تھے کہ ایک صحابی نے بصد ادب و احترام عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کا منصوبہ وحی پر مبنی ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ میری ذاتی رائے ہے" اس پر صحابیؓ نے اجازت طلب کر کے منصوبۂ جنگ پر اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔ یہ مخلصانہ اخوت ہمیں تصور دیتی ہے کہ دور حاضر تک جمہوریت کا نام لینے کے باوجود آمریت و بت پرستی مغرب کے خواب میں مقید ہو لیکن اسلام میں ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان اپنے معزز ترین کے سامنے احترام بھی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے اور یہی جمہوریت کی سب سے پہلی اور لازمی شرط ہے......

جمہوری آزادی، ذمہ داری اور اعتماد فکر و عمل کی یہ قدریں اسلام کے مقدس عقیدے کی برکات سے پاکیزہ تر اور روشن ہو گئی ہیں اور آج بھی ہر شخص کے لئے اتنی ہی ضروری ہیں جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھیں۔ ماضی کی طرح اب بھی یہ قدریں انسان کو زندگی کا ایک ایسا نصب العین عطا کرتی ہیں جس میں اس کی انفرادی اخلاقی و روحانی آرزوئیں اس کے روز مرہ زندگی کے ادنیٰ ترین کاموں پر اثر انداز ہوتی ہیں

بقیہ : دو سمتی رخ

اعلان کیا اسی ہے مولانا مودودی صاحب کا پیدا کردہ
ہو چکا ہے پھر یہ کہ بہت بڑا دھوکہ ہے
جماعت اسلامی کا جواب ہے اس کا بیر دیکھنے سلام کا آئین
چونکہ اسلامی ہے مدتوں سے ہی کہ اسلام میں
جمہوریت نہیں ہے جمہوریت کے ساتھ مغرب کا تعلق
رہے ہیں حالانکہ پاکستان کا آئین اسلام کے تابع ہے
اور جمہوریت کے تحت انتخابات ہوتے ہیں۔ یہ جماعت عصر
سے انکی ہے پھر پیپلز پارٹی کی دشمنی میں جمہوریت
کے خلاف صف آرا ہو رہے ہیں۔

جماعت کی پالیسی کا یہ رخ بھی قابل دید ہے جس
لسانی دہشت گرد تنظیم کے خلاف جماعت مسلسل برسر پیکار
ہے حالانکہ اسلامی جمعیت کے اکثر تربیت یافتہ نوجوان اسی
لسانی تنظیم کے رہنما رہے ہیں۔ لیکن یہ لسانی تنظیم ایک بار
جماعت اسلامی کے خلاف نبرد آزما بھی رہی ہے — ویسے تو اس
لسانی تنظیم نے مذہب اور اسلامی اقدار کے خلاف کھلا
محاذ بنا رکھا ہے پیپلز پارٹی کو بھی ہتھیار بنا رکھا ہے اس لسانی
تنظیم کو جماعت اسلامی صرف اقتدار کی ہوس میں گود
میں بٹھا رہی ہے اسی لئے اس تنظیم نے یہ کارنامہ بھی سر انجام
دیا کہ لوگوں سے زبردستی بندوق کی نوک
پر جمع کرکے کراچی میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا گیا تاکہ
بڑے بڑے سیاستدانوں پر اپنا رعب جما کر انہیں
اپنے پیچھے گھسیٹنے پر مجبور کیا۔ جماعت نے سوچا ہوگا
کہ شاید اس لسانی تنظیم کا زور کراچی اور حیدر آباد سے
ٹوٹا نہیں ہے اس لئے ان کی ہمنوائی کی جائے تاکہ لیں
دن … ایک سیٹ مل جائیں ویسے نواز شریف
لیگ کا بھی ہے حالانکہ وقت بتائے گا کہ انتخاب کے
وقت یہ حضرات کہاں کھڑے ہیں اٹھتے بیٹھتے اسلام کی
مالا جپنے والی جماعت اب ایسی تنظیم سے مفاہمت کرتی نظر
آرہی ہے جس کی گردن پر ہزاروں مسلمانوں کا خون ہے
کون انکار کر سکتا ہے کہ کراچی اور حیدر آباد میں مسلسل
بے چینی، تخریب کاری، لوٹ مار جو پچھلے تین چار سال سے
چل رہی ہے اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کس نے دہشت
گردی اور طاقت کے بل بوتے پر اپنی تنظیم کی بنیاد ڈالی
جس نے … اب … احباب یاروں کو بھی چھٹی کا دودھ
یاد دلا دیا ہو جس کے مقابلے میں پیپلز پارٹی جو حکمران
ہے اس نے بھی اپنی دہشت گرد تنظیم کو اسی قسم کی کارروائی
کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ مجبوراً جماعت اسلامی
والوں کی ہمنوا لسانی تنظیم کو پنجاب، سرحد اور
بلوچستان کی دہائی دینی پڑ رہی ہے۔

فی الوقت جماعت اسلامی کی سیاست کا ایک رخ
کشمیر کی طرف ہے اس لئے کہ افغان مسئلہ میں منفعت
کا اندازہ لگانے کے بعد کشمیر کی طرف رخ کرنا ضروری تھا
خواہ اس کے لئے کشمیریوں کے حق خود ارادیت والے نے
میں کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے۔ چندے کی بہتات تو
یقینی ہے، دوسرا رخ نواز شریف کی بجائے پیپلز
پارٹی کی طرف ہے۔ انتخابات سے پہلے پیپلز پارٹی سے
معاہدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا، بیگم بے نظیر بھٹو
سے ملاقات اور راز و نیاز میں بھی کوئی خیر مانع نہیں تھی
پیپلز پارٹی کو حکومت ملنے کے بعد ساری خرابی پیدا ہو گئی
حالانکہ اسی پارٹی کے ساتھ ایم آر ڈی میں جماعت اسلامی
کی ساری اس وقت کی ساتھی جماعتیں کام کر رہی تھیں
جماعت اسلامی کے ساتھ دوسری پارٹیوں کو بھی مارشل
لاء کے جانشین کی بیچارگی نظر آرہی ہے پیپلز پارٹی بھی وہ
کچھ کر رہی ہے جو اسے کرنا نہیں چاہئے آپس میں مسابقت
جاری ہے سارے اپنی من مانی کر رہے ہیں۔ جماعت
اسلامی اپنا مقصد حاصل کر رہی ہے۔

بقیہ : نظریہ پاکستان

صوبے کے کانسٹی ٹیوشن کے عمل میں لانے یا ان ترمیمات
کی جو ۱۹۳۵ء سے اس سلسلہ میں ظہور پذیر ہو چکی ہیں
یا آئندہ ہوں از سر نو غور کرے۔

(۲) مسلم لیگ کا مقصد اول اور منزل آخر ایک
آزاد ہندوستان ہے۔ مگر وہ ایسے فیڈرل مطمع نظر
کے سخت مخالف ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ جو فرقہ
جو قوم اکثریت میں ہو حکومت اسی کے ہاتھ میں ہو کو
دکھلانے کو جمہوریت یا پارلیمنٹری گورنمنٹ کا روپ
دھارا جائے۔

(۳) آل انڈیا مسلم لیگ کی منظوری اور رضامندی کے
بغیر کوئی اعلان ہندوستان کی کانسٹی ٹیوشنل تغیر و
تبدل کے متعلق نہ کیا جائے اور نہ کوئی کانسٹی ٹیوشن بغیر
لیگ کی منظوری اور رضامندی کے ہز میجسٹی کی گورنمنٹ
یا پارلیمنٹ کی طرف سے بنایا جائے۔

خلاصۂ کلام کوئی ایسا کانسٹی ٹیوشن عالم وجود
میں نہ لایا جائے جو اس بات کو بالتصریح نہ قبول کرے
کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں اور ان دونوں کو
اپنے وطن کی حکومت میں برابر کا حصہ لینے کا حق
حاصل ہے۔ ایسے کانسٹی ٹیوشن کی ترتیب دینے
میں مسلمان برٹش گورنمنٹ کانگریس یا کسی اور جماعت
سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں تاکہ موجودہ عداوتیں
اور دشمنیاں ختم ہوں۔ اور ہندوستان دنیا کے
بڑے ملکوں کی صف میں جگہ پائے۔

بقیہ : قرارداد پاکستان

ملکوں کے لئے دستور سازی کا کام انجام دیں۔

(۲) ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں اقلیتوں
کا تحفظ ۲۳ مارچ کے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس
لاہور میں منظور شدہ ریزولیشن کے مطابق کیا جائے۔

(۳) ۔ کہ مرکزی عارضی حکومت میں مسلم لیگ
کی شرکت کے لئے مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی
منظوری اور اس پر عمل ناگزیر شرط ہے۔

یہ کانفرنس ایک دفعہ پھر پر زور الفاظ میں یہ
اعلان کرتی ہے کہ متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر
کسی دستور کو جبراً مسلط کرنے کی کوشش کا یا مسلم
لیگ کے مطالبہ کے خلاف مرکز میں عارضی حکومت کے قیام
لئے ہر جبری اقدام کا مسلمان اپنی بقا و تحفظ اور اپنے
قومی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ہر ممکن طریق سے
مقابلہ کریں گے۔

(قرارداد منظور شدہ کل مسلم لیگ لیجسلیٹرز
کنونشن منعقدہ زیر صدارت قائد اعظم محمد علی جناح)

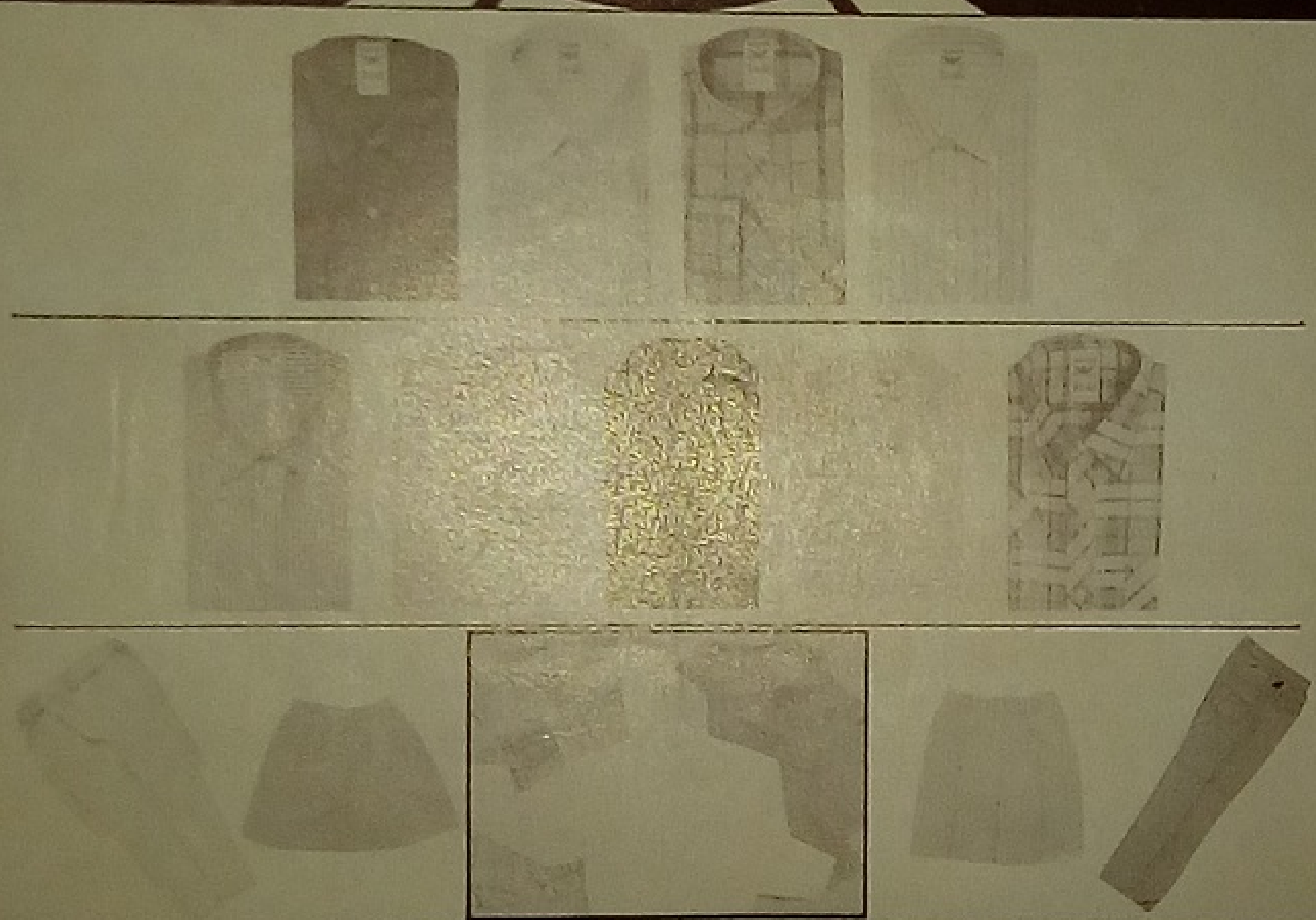
بقیہ : مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی

ہو کر واصل باللہ اور باقی باللہ ہو چکے تھے۔ اور اب
عالم فانی سے سفر کا انتظار تھا سو وہ گھڑی بھی آن پہنچی اور
۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء کی شام جب
کہ افق مغرب میں خورشید جہاں تاب غروب ہو رہا تھا۔ علم
و عرفان کا یہ آفتاب درخشاں ڈوب رہا تھا اور آخر کار
غروب ہو گیا۔ ۱۵ شعبان المعظم کی صبح جب جنازہ اٹھایا گیا
تو جلوس جنازہ میں تقریباً ایک لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں
مارتا ہوا سمندر تھا۔ ۱۵ شعبان المعظم کو جامع مسجد شاہجہانی
(دہلی) میں نماز جنازہ کے بعد جامع مسجد فتح پوری (دہلی)
میں آپ کو مستقل آغوش رحمت میں لٹا دیا گیا۔

پاک و ہند کے مختلف شہروں میں آپ کے یوم وصال
پر عرس اور فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے کراچی میں
۱۴ اور ۱۵ شعبان کو جامع مسجد آرام باغ میں عرس شریف
کی تقریب منعقد ہوتی ہے اسی طرح حیدر آباد، بہاولپور لاہور
راولپنڈی میں بھی تقاریب ہوتی ہیں ہندوستان کے مختلف شہروں
کے علاوہ مرکزی تقریب عرس دہلی میں جامع مسجد فتح پوری میں
ہر سال ہوتی ہے۔

METRO

GARMENTS INDUSTRIES
and
EASTERN GARMENTS INDUSTRIES



Mehersons Estate, Talpur Road Karachi.
Office Phones : 2411538-223688-229589
Fax No. 9221-2411538
Telex : 23783 MGI PK
Factory :
X-2/A Mangopir Road, S.I.T.E., Karachi.
Phones 291811-291710-292245-291863-293476

Metro Media